الله الصمد دم صبرِ علی

میراں موج دریا

کھول رحم کی گلی



زیر سرپرستی:

عاشقِ رسول، شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم،

فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف **افضل سرکار** رحمۃ اللہ علیہ

اللہ الصّمد دم صبرِ علی

مِیراں مَوج دَریا

کھول رحم کی گلی



زیرِ سرپرستی:

عاشقِ رسولؐ، شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم

فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدیؐ، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

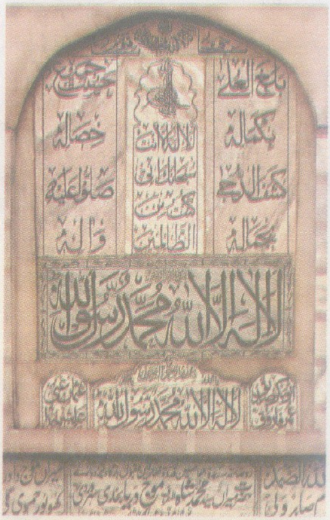
قادری چشتی (صابری نظامی)، قلندری

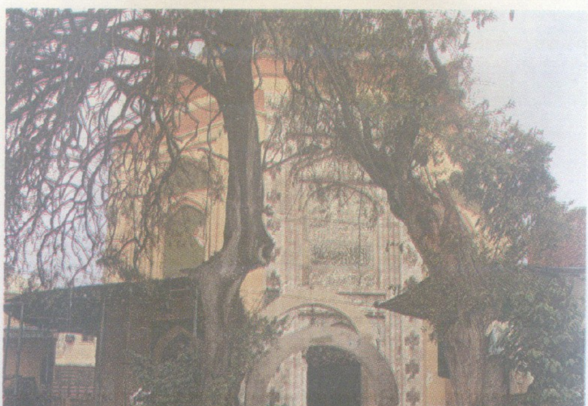
المعروف **افضل سرکار** رحمۃ اللہ علیہ

پبلشرز

حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

۶۸-۶۷، اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۷/۸، کراچی





مزار شریف کا بیرونی منظر



روضۂ شریف



روضۂ شریف

نام کتاب ________ میراں موج دریا

ترتیب و پیشکش ________ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

ناشر ________ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

تعداد	تاریخِ اشاعت
۳۵۰۰	جمادی الاوّل ۱۴۲۸ھ جون ۲۰۰۷ء

E-mail: arfeen@cyber.net.pk

فہرست مضامین

حضرت سیّد میراں محمّد شاہ

موجِ دریا بُخاری رحمتہ اللہ علیہ

•

نام و نسب

اور

سِلسلۂ طریقت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ
یَحۡزَنُوۡنَ ۚۖ﴿ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ؕ
لَہُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ
لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ
الۡعَظِیۡمُ ؕ (سورۃ یونس پ۱۱ ع ۱۲)

ترجمہ: آگاہ رہو کہ اولیاء اللہ کو (دارین میں) کسی کا خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ و رسول اور دیگر ضروریاتِ دین پر ایمان لائے اور (اللہ سے اس کے خلافِ مرضی کوئی کام کرنے سے) ڈرتے رہے۔ ان کو دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کے کلمات (وعدوں) میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ (اولیاء اللہ) کی یہی بڑی کامیابی ہے۔

نام ونسب

اسمِ مبارک میراں محمّد شاہ اور لقب موج دریا ہے۔ بخارا کے صحیح النسب حسینی سادات کرام میں سے ہیں۔ سلسلۂ نسب چھبیسویں (۲۶) پُشت میں ابنِ عمِ رسُول، زوجِ بتول، اسد اللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ خلیفۂ راشد سے جا کر ملتا ہے۔

شجرۂ نسب یہ ہے

۱۔ سیّد میراں محمد شاہ موج دریا بخاری بن سید صفی الدین

۲۔ بن سید نظام الدین ۳۔ بن سید علم الدّین ثانی

۴۔ بن سید جلال الدین ۵۔ بن سید علم الدّین اوّل

۶۔ بن سید ناصر الدین محمود ۷۔ بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت

۸۔ بن سید احمد کبیر ۹۔ بن سید شیر شاہ جلا الدین الاعظم میر سُرخ بخاری

۱۰۔ بن سید ابو المویدعلی
۱۱۔ بن سید جعفر
۱۲۔ بن سید محمد
۱۳۔ بن سید محمود
۱۴۔ بن سید احمد
۱۵۔ بن سید عبداللہ
۱۶۔ بن سید علی اصغر
۱۷۔ بن سید جعفر ثانی
۱۸۔ بن امام علی نقی
۱۹۔ بن امام محمد تقی
۲۰۔ بن امام علی رضا
۲۱۔ بن امام موسیٰ کاظم
۲۲۔ بن امام جعفر صادق
۲۳۔ بن امام محمد باقر
۲۴۔ بن امام زین العابدین
۲۵۔ بن امام حسینؓ شہید کربلا

۲۶۔ بن

ابنِ عمِّ رسولؐ، زوجِ بتول، اسد اللہ الغالب، فاتح خیبر ابو الحسن ابو تراب حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفۂ راشد

نام ونسب

اسمِ مبارک میراں محمّد شاہ اور لقب موج دریا ہے بخارا کے صحیح النسب حسینی سادات کرام میں سے ہیں سلسلۂ نسب چھبیسویں (۲۶) پُشت میں ابنِ عمِ رسُول، زوجِ بتول، اسداللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفۂ راشد سے جاکر ملتا ہے۔

شجرۂ نسب یہ ہے

۱۔ سیّد میراں محمد شاہ موج دریا بخاری بن سید صفی الدین

۲۔ بن سید نظام الدین ۳۔ بن سید علم الدّین ثانی

۴۔ بن سید جلال الدین ۵۔ بن سید علم الدّین اوّل

۶۔ بن سید ناصر الدین محمود ۷۔ بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت

۸۔ بن سید احمد کبیر ۹۔ بن سید شیر شاہ جلال الدین الاعظم میر سُرخ بخاری

۱۰۔ بن سید ابوالموید علی　　۱۱۔ بن سید جعفر

۱۲۔ بن سید محمد　　۱۳۔ بن سید محمود

۱۴۔ بن سید احمد　　۱۵۔ بن سید عبداللہ

۱۶۔ بن سید علی اصغر　　۱۷۔ بن سید جعفر ثانی

۱۸۔ بن امام علی نقی　　۱۹۔ بن امام محمد تقی

۲۰۔ بن امام علی رضا　　۲۱۔ بن امام موسیٰ کاظم

۲۲۔ بن امام جعفر صادق　　۲۳۔ بن امام محمد باقرؒ

۲۴۔ بن امام زین العابدین　　۲۵۔ بن امام حسینؓ شہید کربلا

۲۶۔ بن

ابنِ عمِّ رسُول، زوجِ بتول، اسداللہ الغالب، فاتح خیبر ابوالحسن ابوتراب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ خلیفۂ راشد

سلسلۂ طریقت

اکثر تذکرہ نگاروں نے حضرت سید میراں محمد شاہ موج بُخاری رحمتہ اللہ علیہ کو مشائخِ سہروردیہ میں شمار کیا ہے اور یہ بڑی حد تک ہے بھی صحیح۔ کیوں کہ آپ کے اجداد میں سے برِّ کوچک پاک و ہند میں وارد ہونے والے سب سے پہلے بُزرگ حضرت سید شیر شاہ جلال الدین اعظم میر سرخ بخاری رحمتہ اللہ علیہ تھے جو حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجلّ اور یارِ طریقت تھے۔

چنانچہ سلسلۂ سہروردیہ میں حضرت موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا سلسلۂ طریقت اپنے اجداد کے واسطے سے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے اور پھر درج ذیل واسطوں سے خیر الخلائق، سید المرسلین، فخرِ موجودات، محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہیٰ ہوتا ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی

شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی

شیخ وجیہہ الدین سہروردی

شیخ ابو عبداللہ

شیخ احمد دینوری

شیخ ممتاز علی دینوری

شیخ الطائفہ خواجہ جنید بغدادی

خواجہ سرّی سقطی

خواجہ معروف کرخی

خواجہ داؤد طائی

خواجہ حبیب عجمی

حضرت امام حسن

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

سید الانبیاء والمرسلین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم

•

اگرچہ حضرت موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ کو خصوصی نسبت سلسلۂ عالیہ سہروردیہ سے تھی لیکن بعض تذکروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو سلسلۂ چشتیہ سے بھی نسبت تھی گو اس کی حیثیت ثانوی تھی۔

"تحقیقاتِ چشتی" میں مولوی نُور احمد مرحوم نے لکھا ہے
کہ حضرت موج دریا کے مزار مُبارک کے نزدیک ہر سال
عُرس کے موقع پر محافلِ سماع منعقد ہوا کرتی تھیں۔ سلسلۂ چشتیہ
سے آپ کی نسبت خلافِ قیاس نہیں کیوں کہ آپ کے اجدادِ کرام
اپنے ہم عصر چشتی مشائخ سے مخلصانہ روابط رکھتے تھے۔ ساتویں
پُشت میں حضرت کے جدِّ اعلیٰ حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں
جہاں گشت سہروردی نے تو سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شیخ نصیر الدین
محمود چراغ دہلی سے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا تھا۔

چنانچہ قیاس یہی ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں
گشت کی اولاد بھی سلسلۂ سہروردیہ کے ساتھ سلسلۂ چشتیہ
سے بھی نسبت رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے طریقۂ چشتیہ میں حضرت
موجِ دریا بخاری کا سلسلۂ طریقت اپنے اجداد کے واسطہ سے
حضرت مخدوم جہاں گشت تک پہنچتا ہے اور پھر مندرجہ ذیل
واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک منتہیٰ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ

حضرت محبوبِ الٰہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء

حضرت شیخ الشیوخ عالم بابا فرید الدین گنج شکر

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری

حضرت خواجہ عثمان ہارونی

حضرت خواجہ شریف زندانی

حضرت خواجہ مودود چشتی

حضرت خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی

حضرت خواجہ محمد چشتی

حضرت خواجہ ابو احمد چشتی

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی (بانی سلسلہ چشتیہ)

حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری

حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصری

حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشی

حضرت خواجہ ابراہیم ادہم بلخی

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض

حضرت شیخ ابو الفضل عبد الواحد بن زید

حضرت خواجہ حسن بصری

امیر المومنین شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ

سلسلہ سہروردیہ اور چشتیہ کے علاوہ حضرت میراں محمد شاہ

موج دریا کو سلسلۂ بخاریہ حسینیہ یا بخاریہ جلالیہ سے بھی نسبت حاصل تھی۔ اس خانوادہ کا سلسلۂ طریقت وہی ہے جو حضرت موج دریا کا شجرۂ نسب ہے۔

اس خانوادہ کے درویشوں کے بازو پر ایک مہر لگائی جاتی ہے۔ یہ درویش بھنگ، چرس، افیون حتیٰ کہ تمباکو سے بھی سخت پرہیز کرتے ہیں اور ہر وقت تبلیغِ اسلام میں کوشاں رہتے ہیں۔ یہ اصحاب شریعت کے سخت پابند ہوتے ہیں۔ اور ہر قسم کے فقہی مسائل کے عالم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ درویشانہ لباس میں رہتے ہیں۔ اور ان کا طرز بود و باش بے حد سادہ اور ہر قسم کے تصنّع سے پاک ہوتا ہے۔ یہ لوگ سچے اور پکّے مسلمان ہوتے ہیں اور اپنے اندر اشاعتِ اسلام کی بے پناہ تڑپ رکھتے ہیں۔ گویا جو شخص شریعت کا پابند نہ ہو اور علم دین سے بھی کوئی شغف اور واقفیت نہ رکھتا ہو اسے حضرت سید میراں محمد شاہ موج دریا سے کوئی نسبت اور تعلق نہیں۔ ہاں کوئی شخص خاندانی حالات کی وجہ سے جاہل رہ گیا ہو لیکن نماز روزے اور دوسرے احکامِ شریعت کا پابند ہو تو بزرگوں (بشمول حضرت موج دریا بخاری) سے اُس کی پُرخلوص عقیدت اس کے لئے یقیناً نفع مند ثابت ہو گی۔ (انشاء اللہ)!

حضرت موج دریا کے آباء واجداد کا تذکرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برِّصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ سہروردیہ کے موسس (بنیاد رکھنے والے) حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے حالات بھی اختصار کے ساتھ اس کتاب میں بیان کردیئے جائیں۔ اگلے باب میں آپ یہی حالات پڑھیں گے۔

ولادت

سرزمین پاک و ہند میں سلسلۂ سہروردیہ کے بانی حضرت خواجہ بہاءالحق زکریا ملتانی ، شیخ الشیوخ عالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر چشتی (پاک پتن شریف) کے ہمعصر تھے۔ آپ کا شمار برِّ کوچک کے مشائخ عظام میں ہوتا ہے۔ آپ کے جدِ بزرگوار شیخ کمال الدین علی شاہ قریشی مکہّ معظمہ سے خوارزم آئے۔ کچھ عرصہ بعد وہاں سے گردشِ زمانہ کی بدولت ملتان پہنچے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کرلی۔

آپ کے فرزند شیخ وجیہ الدین کی شادی قلعہ کوٹ کروڑ

کے ایک ممتاز بزرگ شیخ حسام الدّین ترمذی کی صاحبزادی سے ہوئی۔ انہیں کے بطن سے ۵۶۶ھ میں خواجہ بہاؤالدین زکریاملتانی کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ آپ ابھی بارہ برس کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ تاہم انہوں نے حالتِ یتیمی میں بھی دینی تعلیم جاری رکھی۔ اور سنِ شعور کو پہنچنے سے پہلے ہی ساتوں قرأتوں کے ساتھ قرآن مجید حفظ کر لیا۔

اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے خراسان تشریف لے گئے۔ اور سات برس تک وہاں کے علماء و مشائخ سے علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل و تکمیل کی۔ وہاں سے بخارا پہنچے اور بخاری علماء و مشائخ کرام سے کسبِ فیوض کیا۔ بخارا میں آپ کا قیام آٹھ یا پندرہ برس رہا۔ اس دوران میں آپ کے کمالاتِ علمی، اور محاسنِ اخلاق کی اتنی شہرت ہوئی کہ دُور دُور سے لوگ آپ سے استفاضہ کے لئے آتے تھے اور آپ کو بہاؤالدین فرشتہ کے نام سے پُکارتے تھے۔

اس کے بعد آپ مکہ مکرمہ جاکر حجِ بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے مدینہ منوّرہ پہنچے اور پانچ سال تک سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس کی مجاوری کی۔ اس مدت میں حضرت شیخ کمال الدین یمنی سے جو اس دور کے نامور محدث

تھے، حدیث پڑھی۔ اور اجازتِ حدیث لی۔ مدینہ منورہ سے آپ بیت المقدس گئے اور وہاں انبیاء کرام کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

بیعت و خرقۂ خلافت

بیت المقدس سے آپ سیدھے بغداد پہنچے جو اس زمانے میں شیخ الشیوخ حضرت خواجہ شہاب الدین عمر سہروردی کے فیوض و برکات سے مطلع انوار بنا ہوا تھا۔ خواجہ بہاؤالدین زکریا حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی بیعت کر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

حضرت شیخ الشیوخ نے خواجہ صاحب کو اپنے فیوضِ باطنی سے مالا مال کر دیا اور سترہ دن کے بعد ہی ان کو خرقۂ خلافت عطا فرما دیا۔ بعض مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا کہ ہم کئی سال سے شیخ الشیوخ کے در پر پڑے ہیں۔ لیکن ابھی تک خرقۂ خلافت سے محروم ہیں۔ ادھر ایک نووارد صرف سترہ دن کے بعد ہی اس شرف سے بہرہ ور ہو گیا۔ حضرت شیخ الشیوخ کے

کانوں تک ان چہ میگوئیوں کی بھنک پڑی تو آپ نے سب کو اپنے پاس بُلا کر فرمایا :

"عزیزو! تمہاری مثال گیلی لکڑی جیسی ہے جو آگ کو بڑی مشکل اور دیر سے پکڑتی ہے۔ بہاؤالدین خُشک لکڑی کی مانند تھا جس نے آگ کو فوراً پکڑ لیا"

حضرت کا ارشاد سُن کر سارے درویش نادم ہو گئے۔ اس کے بعد شیخ الشیوخ نے خواجہ صاحب کو حکم دیا کہ ملتان جا کر اصلاح و ہدایت کی خدمت انجام دو۔

مُلتان میں آمد

مُرشدِ گرامی کے ارشاد کے مطابق خواجہ بہاؤالدین زکریا صوبہ سرحد سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے اور مستقل طور پر یہیں اقامت پذیر ہو گئے۔ ملتان میں آپ کے علم و فضل اور کمالاتِ باطنی کا شہرہ بہت جلد پھیل گیا۔ رفتہ رفتہ سندھ اور بلوچستان کے دُور افتادہ علاقوں تک آپ کی روحانی عظمت کی شہرت پہنچ گئی۔ اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سلطان شمس الدین التمش بادشاہِ ہندوستان نے آپ کو شیخ الاسلام کا عہدہ پیش کیا۔ آپ نے خلقِ خدا کی بہتری کے لئے عہدہ قبول کر لیا۔ اور کئی سال تک سلطنت ہند کے شیخ الاسلام رہے۔

حضرت کے ملتان میں آمد کے وقت وہاں کا حاکم ناصر الدین قباچہ تھا۔ اس نے سلطان شمس الدین التمش سے سرکشی اختیار کی تو خواجہ بہاؤ الدین زکریا اور ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی کو اس کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری، کیوں کہ سلطان التمش اپنے اوصاف و خصائل حمیدہ کی وجہ سے قباچہ پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے تھے۔ اور ان دونوں بزرگوں کے خیال میں مسلمانوں کی فلاح سلطان التمش کی حکومت ہی سے وابستہ تھی چنانچہ دونوں نے سلطان التمش کو قباچہ کے معاندانہ ارادوں سے مطلع کرنے کے لئے الگ الگ خطوط لکھے۔

بدقسمتی سے یہ خطوط قباچہ کے ہاتھ آگئے، وہ انہیں پڑھ کر سخت غضبناک ہوا اور دونوں بزرگوں کو بلا بھیجا۔ جب دونوں بزرگ قباچہ کے دربار میں پہنچے تو اس نے قاضی صاحب کا خط ان کے ہاتھ میں دے کر پوچھا کہ یہ خط آپ نے لکھا ہے؟ قاضی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر قباچہ نے فوراً ان کے قتل کا حکم دے دیا۔

قاضی صاحب کی شہادت کے بعد قباچہ خواجہ صاحب کی طرف متوجہ ہوا اور ان کا لکھا ہوا خط سامنے کر کے پوچھا: "کیا یہ آپ نے لکھا ہے؟" خواجہ صاحب نے بے باکی سے فرمایا

کانوں تک ان چہ میگوئیوں کی بھنک پڑی تو آپ نے سب کو اپنے پاس بُلا کر فرمایا:

"عزیزو! تمہاری مثال گیلی لکڑی جیسی ہے جو آگ کو بڑی مشکل اور دیر سے پکڑتی ہے۔ بہاؤالدین خُشک لکڑی کی مانند تھا جس نے آگ کو فوراً پکڑ لیا"

حضرت کا ارشاد سُن کر سارے درویش نادم ہو گئے۔ اس کے بعد شیخ الشیوخ نے خواجہ صاحب کو حکم دیا کہ ملتان جاکر اصلاح و ہدایت کی خدمت انجام دو۔

مُلتان میں آمد

مُرشدِ گرامی کے ارشاد کے مطابق خواجہ بہاؤالدین زکریا صوبہ سرحد سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے اور مستقل طور پر یہیں اقامت پذیر ہو گئے۔ ملتان میں آپ کے علم و فضل اور کمالاتِ باطنی کا شہرہ بہت جلد پھیل گیا۔ رفتہ رفتہ سندھ اور بلوچستان کے دُور افتادہ علاقوں تک آپ کی روحانی عظمت کی شہرت پہنچ گئی۔ اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سلطان شمس الدین التمش بادشاہِ ہندوستان نے آپ کو شیخ الاسلام کا عہدہ پیش کیا۔ آپ نے خلقِ خدا کی بہتری کے لئے عہدہ قبول کر لیا۔ اور کئی سال تک سلطنت ہند کے شیخ الاسلام رہے۔

حضرت کے ملتان میں آمد کے وقت وہاں کا حاکم ناصر الدین قباچہ تھا۔ اس نے سلطان شمس الدین التمش سے سرکشی اختیار کی تو خواجہ بہاؤالدین زکریا اور ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی کو اس کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری، کیوں کہ سلطان التمش اپنے اوصاف و خصائل حمیدہ کی وجہ سے قباچہ پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے تھے۔ اور ان دونوں بزرگوں کے خیال میں مسلمانوں کی فلاح سلطان التمش کی حکومت ہی سے وابستہ تھی چنانچہ دونوں نے سلطان التمش کو قباچہ کے معاندانہ ارادوں سے مطلع کرنے کے لئے الگ الگ خطوط لکھے۔

بدقسمتی سے یہ خطوط قباچہ کے ہاتھ آگئے، وہ انہیں پڑھ کر سخت غضبناک ہوا اور دونوں بزرگوں کو بلا بھیجا۔ جب دونوں بزرگ قباچہ کے دربار میں پہنچے تو اس نے قاضی صاحب کا خط ان کے ہاتھ میں دے کر پوچھا کہ یہ خط آپ نے لکھا ہے؟ قاضی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر قباچہ نے فوراً ان کے قتل کا حکم دے دیا۔

قاضی صاحب کی شہادت کے بعد قباچہ خواجہ صاحب کی طرف متوجہ ہوا اور ان کا لکھا ہوا خط سامنے کر کے پوچھا: "کیا یہ آپ نے لکھا ہے؟" خواجہ صاحب نے بے باکی سے فرمایا

"بے شک یہ میرا خط ہے اور میں نے یہ اللہ کے حکم سے لکھا ہے"۔ خواجہ صاحب کے الفاظ سُن کر قباچہ لرزہ براندام ہوگیا اور اسے حضرت کو کوئی گزند پہنچانے کی ہمت نہ پڑی بلکہ اُلٹا آپ سے معذرت کی اور اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

شیخ ابراہیم عراقی کی مُلتان میں آمد

شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی کا شمار دُنیائے تصوّف کے نامور بزرگوں میں ہوتا ہے۔ وہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی کے بھانجے تھے۔ فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے، ان کا عارفانہ کلام سوز و گداز سے لبریز ہے۔ وہ ہمدان کے ایک قصبہ "باکونجان" میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں معقولات و منقولات پڑھ کر فارغ ہو گئے۔ پھر ہمدان سے بغداد آئے اور اپنے ماموں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی سے علومِ باطنی حاصل کئے اور کئی سال تک مجاہدات و ریاضات میں مشغول رہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ الشیوخ نے انہیں ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ سیدھے ملتان پہنچے اور حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں حاضر ہوکر شرفِ بیعت حاصل

کیا۔ پھر پورے پچیس برس مرشد کی خدمت میں گزار دیئے۔
مولانا عبدالرحمٰن جامی نے "نفحات الانس" میں لکھا ہے کہ شیخ عراقی نے مرشد کے حکم سے چلّہ کشی شروع کی تو چلّہ کے گیارہویں دن وہ بے خود ہو کر رونے لگے اور بآوازِ بلند یہ اشعار پڑھنے لگے۔

نخستین بادہ کاندر جام کردند ز چشم مستِ ساقی وام کردند
برائے صید مرغِ جانِ عاشق ز زلفِ ماہرویاں دام کردند
بعالم ہر کجا رنج و ملامت! بہم بردند و عشقش نام کردند
ز بہر نُقلِ مستاں از لب و چشم مہیّا شکرّ و بادام کردند
چو خود کردند از خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند

اہلِ خانقاہ نے خواجہ صاحب سے شکایت کی کہ شیخ عراقی ذکر و مراقبہ کے بجائے غزل سرائی میں مصروف ہیں۔
خواجہ صاحب نے فرمایا:
"شمارا ازیں چیز ہا منع است او را منع نیست"
اس واقعہ کے چند دن بعد خواجہ صاحب کے ایک مرید شیخ عمادالدین شہر میں پھر رہے تھے کہ ایک میخانہ میں رندوں کو چنگ و رباب کے ساتھ شیخ عراقی کی یہ غزل گاتے سُنا۔ انہوں نے

خواجہ صاحب سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔

"کارِ او (عراقی) تمام شد"

پھر آپ شیخ عراقی کے حجرہ کے باہر پہنچے اور فرمایا۔

"اب اپنی مناجات ختم کرو اور باہر آؤ"۔

شیخ عراقی روتے ہوئے باہر آئے۔ خواجہ صاحب نے انہیں سینے سے لگالیا اور فیوضِ روحانی سے مالامال کردیا۔ خواجہ صاحب نے اسی مجلس میں اپنا خرقہ شیخ عراقی کو عطا فرمایا اور اپنی صاحبزادی ان کے حبالۂ نکاح میں دے دی۔ شیخ عراقی مرشد کے وصال کے بعد عدن چلے گئے پھر حجِ بیت اللہ سے سعادت اندوز ہوئے۔

اس کے بعد اقصائے روم کی سیاحت کی۔ ایک مُدّت تک مصر میں قیام کیا۔ پھر دمشق تشریف لے گئے اور وہیں اٹھاسی سال کی عمر میں سنہ ۶۸۸ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

خواجہ بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کا ذوقِ سماع

سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگ سماع کے معاملہ میں ہمیشہ بہت محتاط رہے ہیں یا تو وہ سماع سے یکسر احتراز کرتے تھے اور اگر سُنتے تھے تو نہایت اعتدال اور شرائط کے ساتھ حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا بھی کبھی کبھار سماع سُن لیتے تھے۔

ایک مرتبہ عبداللہ رُومی ایک قوال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری قوالی شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے بھی سُنی ہے، آپ نے فرمایا تو پھر ہم بھی سُنیں گے۔

چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد آپ ایک خاص حجرے میں بیٹھ گئے' دو پارے کلام پاک کے تلاوت کئے اور پھر قوال کو حکم دیا کہ کچھ سُنائے قوال نے غزل شروع کی: مستاں کہ شرابِ ناب خوردند

از پہلوئے خود کباب کردند

حضرت خواجہ صاحب پر وجد طاری ہو گیا۔ آپ نے چراغ گُل کر دیا اور عالمِ وجد میں گردش کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد حجرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئے اور دوسرے دن قوال کو خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوائے۔

محاسنِ اخلاق

حضرت خواجہ صاحب کے اخلاقِ حسنہ نے ایک دُنیا کو مسخّر کر رکھا تھا۔ وہ بے انتہا حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ اپنی تعظیم و تکریم سے مُریدوں کو روکتے تھے اور فرمایا کرتے تھے، میں اللہ کا ایک ناچیز اور عاجز بندہ ہوں۔ عبادات و ریاضات میں کمال درجے کا شغف تھا۔ بعض اوقات نماز میں پورا کلام مجید پڑھ جاتے تھے۔ اللہ نے دولتِ باطنی کے ساتھ بے حد و حساب دولتِ دنیوی سے بھی آپ کو نوازا تھا۔ لیکن آپ نے یہ دولت عوام کی بھلائی اور خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ان کا لنگر خانہ بڑا وسیع تھا جس میں قسم قسم کے پُر تکلف کھانے پکتے تھے۔ اور ہزارہا مسافر، غرباء و مساکین روزانہ اس لنگر سے مستفیض ہوتے تھے۔ خواجہ صاحب لوگوں کو لنگر سے کھانا کھاتے دیکھ کر بے حد مسرت محسوس کرتے تھے، لیکن خود بے حد سادہ غذا جیسے روکھی سُوکھی کھنا موزوں ہے (پر گزر کرتے تھے۔

ایک دفعہ ملتان میں قحط پڑا تو خواجہ صاحب نے نہ صرف ہزاروں من غلّہ لوگوں میں مُفت تقسیم کیا، بلکہ بے شمار حاجتمندوں

کی زرِ نقد سے بھی دستگیری کی۔ بعض اوقات آپ ویسے ہی کئی کئی ہزار دینار غرباء و مساکین میں لُٹا دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ راہِ خدا میں مال صرف کرنا بہترین عبادت ہے، فقیروں کے لئے دنیا کا وجود اور عدم وجود دونوں برابر ہیں۔

آپ کی فیاضی اور سیر چشمی کی داستانیں آج تک لوگوں میں مشہور ہیں۔ مختلف تذکروں میں بے شمار کرامات اور خوارق عادات آپ سے منسوب ہیں۔

شیخ الشیوخِ عالم حضرت بابا فریدالدّین گنج شکر چشتی، خواجہ صاحب کے ہم عصر تھے۔ دونوں عظیم المرتبت بزرگوں میں کمال درجے کی دوستی تھی اور دونوں ایک دوسرے کی بے حد عزّت کرتے تھے۔ ایک دفعہ خواجہ صاحب نے بابا صاحب کو لکھا۔

"میانِ ما و شما عشق بازی است"

(ہمارے اور آپ کے درمیان عشق بازی ہے)

بابا صاحب نے جواب میں لکھا:

"میانِ ما و شما عشق است بازی نیست"

(ہمارے اور آپ کے درمیان عشق ہے، بازی یعنی کھیل نہیں)

"سیر الاولیاء" میں ہے کہ ایک مرتبہ بابا صاحب کے قوال حسن نے خواجہ صاحب کی زیارت کے لئے ملتان جانے کی

اجازت چاہی۔ بابا صاحب نے فرمایا:

"جاؤ مگر کوئی بے ادبی ہرگز نہ کرنا۔"

حسن آستانۂ زکریا پر حاضر ہوا تو وہاں کی شان و شوکت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ایک عالی شان حویلی تھی، جو ہر قسم کے ساز و سامان سے آراستہ تھی۔ دل میں خیال گزرا کہ یہ کیسی درویشی ہے۔ فقر تو گنج شکر کے گھر میں ہے کہ ایک بوریئے کے سوا کوئی دوسرا سامان نہیں۔

خواجہ صاحب نے نُور باطن سے اس کے دل کی بات بھانپ لی اور فرمایا: "بے ادب، بھائی فرید کی بات بھول گیا"۔

یہ کہہ کر اپنا ہاتھ بڑھایا کہ حسن کو خانقاہ سے باہر نکال دیں۔ کہ ایک ہاتھ درمیان میں آگیا۔ خواجہ صاحب نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور حسن سے پوچھا، جانتے ہو یہ کس کا ہاتھ ہے؟ حسن نے دست بستہ عرض کی: "اس ہاتھ کے قربان، اگر آج یہ آڑے نہ آتا تو حسن کی خیر نہیں تھی"۔

خواجہ صاحب مسکرائے اور حسن قوال کو اپنے الطاف و اکرام سے نوازا اور وہ خوش خوش اجودھن (پاک پتن) واپس گیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی واقعات تذکروں میں درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب اپنے ہم عصر چشتی مشائخ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔

وصال

حضرت محبوبِ الٰہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء چشتی سے منقول ہے کہ ۷، صفر ۶۶۶ھ کو حضرت بہاؤالدین زکریا اپنے حجرہ میں مشغولِ عبادت تھے کہ حجرہ کے باہر یکایک پیکرِ نُورانی نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سربمہر لفافہ تھا۔ وہ لفافہ اس نے حضرت کے صاحبزادہ شیخ صدرالدین عارف کے ہاتھ میں دے کر کہاکہ اسے فوراً اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت میں پہنچادیں۔ شیخ عارف خط لے کر بڑے حیران اور فکرمند ہوئے اور حجرے کے اندر جا کروالد ماجد کو خط دیا۔ باہر آئے تو اس پیکرِ نُورانی کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔

ادھر خط پڑھتے ہی خواجہ بہاؤالدین زکریا معبودِ حقیقی سے جاملے اور حجرہ کے اندر اور باہر آواز بلند ہوئی: "دوست بدوست رسید"۔ (دوست دوست سے جاملا)۔

یہ آواز سُن کر صدرالدین عارف فوراً حجرہ کے اندر گئے دیکھا تو والدِ بزرگوار عالمِ فانی سے عالمِ بقا کو سدھار چکے ہیں۔ آناً فاناً یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی اور ہر طرف کہرام مچ گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جس دن خواجہ بہاؤالدین زکریا کا وصال ہوا، اجودھن (پاک پٹن شریف) میں حضرت باباصاحب اپنے مشاغل کے دوران میں یکایک بے ہوش ہوگئے۔ جب بہت دیر تک ہوش میں نہ آئے تو خرقۂ مرشد اُن کے جسمِ مبارک پر ڈالا گیا۔ آنکھیں کھول دیں اور فرمایا۔

"برادرم بہاؤالدین زکریا ازیں بیابانِ فنا بہ شہرستانِ بقا بردند۔"

(میرے بھائی بہاؤالدین زکریا فنا کے اس صحرا سے بقا کے شہر چلے گئے۔)

پھر اُٹھ کر احباب کے ساتھ غائبانہ جنازے کی نماز پڑھی۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا کا عظیم الشان مزارِ مبارک ملتان میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

ازواج و اولاد

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا نے اپنی زندگی میں دو نکاح کئے۔ پہلی اہلیہ سے آپ کے جانشین شیخ صدرالدین عارف پیدا ہوئے۔ برِّصغیر پاک و ہند کے سہروردی مشائخ میں انہیں بہت بلند مرتبہ حاصل ہے۔

دوسری اہلیہ کے بطن سے چھ صاحبزادے پیدا ہوئے۔ لیکن ان میں سے کوئی شیخ صدرالدین عارف کے مقام تک نہ پہنچ سکا۔

حضرت خواجہ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک کا عقد شیخ عراقی سے ہوا تھا۔ دوسری صاحبزادی کے حالات کسی مستند تذکرے میں نہیں ملتے۔

ایک روایت میں ہے کہ جس دن خواجہ بہاؤالدین زکریا کا وصال ہوا، اجودھن (پاک پتن شریف) میں حضرت باباصاحب اپنے مشاغل کے دوران میں یکایک بے ہوش ہوگئے۔ جب بہت دیر تک ہوش میں نہ آئے تو خرقۂ مرشد اُن کے جسمِ مبارک پر ڈالا گیا۔ آنکھیں کھول دیں اور فرمایا۔

"برادرم بہاؤالدین زکریا ازیں بیابانِ فنا بہ شہرستانِ بقا بردند۔"

(میرے بھائی بہاؤالدین زکریا فنا کے اس صحرا سے بقا کے شہر چلے گئے۔)

پھر اُٹھ کر احباب کے ساتھ غائبانہ جنازے کی نماز پڑھی۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا کا عظیم الشان مزارِ مبارک ملتان میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

ازواج و اولاد

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا نے اپنی زندگی میں دو نکاح کئے۔ پہلی اہلیہ سے آپ کے جانشین شیخ صدرالدین عارف پیدا ہوئے۔ برِّصغیر پاک و ہند کے سہروردی مشائخ میں انہیں بہت بلند مرتبہ حاصل ہے۔

دوسری اہلیہ کے بطن سے چھ صاحبزادے پیدا ہوئے۔ لیکن ان میں سے کوئی شیخ صدرالدین عارف کے مقام تک نہ پہنچ سکا۔

حضرت خواجہ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک کا عقد شیخ عراقی سے ہوا تھا۔ دوسری صاحبزادی کے حالات کسی مستند تذکرے میں نہیں ملتے۔

خلفائے عظّام

حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا کے لاتعداد خلفائے کرام میں سے آپ کے صاحبزادے اور جانشین شیخ صدرالدین عارف حضرت سید جلال الدین میر سرخ بخاری ، شیخ حسن افغان، شیخ ابراہیم عراقی ، شیخ امیر حسینی ، شیخ احمد خنداں اور شیخ نجیب الدین علی برغش بہت مشہور ہیں۔

شیخ ابراہیم عراقی اور شیخ امیر حسینی فارسی کے قادرالکلام شاعر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ شیخ عراقی کی تصانیف ہیں لمعات مثنوی عشاق نامہ اور ایک دیوان ہے۔

شیخ امیر حسینی نے مندرجہ ذیل تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں۔

زادالمسافرین۔ نزہت الارواح۔ طرب المجالس

طراط المستقیم۔ الارواح۔ کنزالرموز۔ سوالات۔

دیوان۔

حضرت سیّد

میراں محمّد شاہ موج دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ

کے

آباؤ اجداد

حضرت سیّد میراں محمد شاہ موج دریا بُخاری کا نسب نامہ کتاب کے آغاز میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ آپ کا نسب پچیسویں پُشت میں شہیدِ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مل جاتا ہے۔

گویا آپ صحیح النسب حسینی سید ہیں آپ کے جلیل القدر آباواجداد کے بارے میں کچھ لکھنا محض تحصیلِ حاصل ہے۔ تاہم آپ کے جن اجداد نے سرزمین ہند و پاکستان میں تشریف لاکر اپنی عظمت اور کمالاتِ رُوحانی کے ہر طرف ڈنکے بجادیئے ان میں سے کچھ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

حضرت موج دریا بخاری کے اجداد میں سے حضرت سید جلال الدین میر سُرخ بخاری اور حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت آسمانِ ولایت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور ان کی جلالتِ قدر اور عظمت نے تمام عالم اسلام سے خراجِ عقیدت وصول کیا۔ اس لئے ان دونوں بزرگوں کے حالات ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کریں گے۔

حضرت سیّد جلال الدین الاعظم

میر سُرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد جلال الدین الاعظم میر سرخ بخاری نویں پُشت میں حضرت سید میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔ حضرت کے اجداد میں وہ سب سے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سرزمینِ پاک و ہند کو اپنے قدم مبارک سے مشرف فرمایا۔

نام و القاب اسمِ گرامی سید جلال الدین تھا۔ میر سرخ ، عظیم اللہ، شریف اللہ، میر بزرگ مخدوم اعظم، شیر شاہ اور جلال اکبر آپ کے القاب ہیں۔ ابوالبرکات آپ کی کُنیّت تھی۔ بعض روایتوں میں ایک دوسری کُنیّت ابواحمد بھی درج ہے۔

نسب اور ولادت حضرت سید جلال الدین میر سرخ بخاری

سید ابوالموید علی (بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقی) کے صاحبزادے تھے۔

آپ کی ولادتِ باسعادت بعض روایات کے مطابق سن ۵۹۰ھ یا ۵۹۵ھ میں بخارا میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت وہیں اپنے والدِ ماجد کے زیرِ سایہ ہوئی۔ سنِ شعور کو پہنچے تو سید قاسم بخاری کی صاحبزادی فاطمہ سے عقدِ نکاح ہوا۔ یہ اہلیہ چند سال کے بعد وفات پا گئیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ بخارا سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بھکّر (سندھ) میں آمد

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری نے بخارا سے نقل مکانی کیوں کی؟ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت ہے کہ وہاں کے حکمرانوں سے آپ کے تعلقات خوشگوار نہیں رہے تھے، اس لئے آپ بخارا سے مشہد چلے گئے اور پھر کچھ مدت بعد مشہد (ایران) سے ہندوستان کا رُخ کیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق تاتاریوں نے عالم اسلام پر یلغار کی تو بخارا بھی ان کی غارت گری کا ہدف بنا۔ اسی ہنگامہ دار و گیر میں حضرتِ موصوف بخارا سے ایران چلے گئے اور پھر چند سال بعد وہاں سے بھکر (سندھ) تشریف لائے۔ بھکر کے دورانِ قیام میں وہاں کے ایک بزرگ سید بدرالدین حسینی نے اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے کر دیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ صاحبزادی جن کا نام زہرہ تھا چند سال بعد وفات پا گئیں تو سیّد بدرالدین نے اپنی دوسری صاحبزادی فاطمہ کا نکاح بھی سید جلال الدین سے کر دیا۔ ان دونوں بیویوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولادِ صالح عطا کی۔

آستانہ زکریا پر حاضری

اس زمانے میں حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا کی عظمت اور کمالات کی شہرت کا آفتاب خوب چمک رہا تھا حضرت سید جلاالدین بھکر سے ملتان جا کر حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور پھر انہیں کے ہو کر رہ گئے۔ خواجہ صاحب نے سلسلۂ سہروردیہ میں اپنی بیعت سے مشرف فرمایا اور مجاہدات و ریاضات کی تلقین کی۔ جب یہ منزل طے کر چکے تو خواجہ صاحب نے خرقۂ خلافت عنایت فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ سید جلاالدین نے پورے تیس برس خدمتِ مرشد میں گزار دیئے۔ خواجہ صاحب ان پر کمال درجے کی شفقت فرماتے تھے، وہ خواجہ صاحب کے خلیفہ خاص بھی تھے اور یارِ طریقت بھی۔

میر علی شیر قانع نے "تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ: "خواجہ بہاؤالدین زکریا، سید جلال الدین سرخ بخاری، بابا فرید مسعود گنج شکر اور سید عثمان مروندی لعل شہباز قلندر آپس میں چار یار کہلاتے تھے اور ان میں غایت درجہ کی محبت و دوستی تھی۔ ان میں سے سید جلال الدین سرخ بخاری خواجہ بہاؤالدین زکریا کے مرید بھی تھے اور یار بھی۔

اوچ میں آمد

۶۶۶ھ میں حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا نے وفات پائی، تو حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری وفورِ غم سے نڈھال ہو گئے، کچھ مدت حضرت شیخ صدرالدین عارف کے پاس رہے، اس کے بعد ۶۶۷ھ یا ۶۶۸ھ میں خطۂ اولیاء اوچ تشریف لے گئے۔ اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

اوچ میں آپ نے خانقاہِ بخاریہ کی بنیاد رکھی اور ہمہ تن تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے۔ جلد ہی یہ خانقاہ رُشد و ہدایت کا ایک عظیم الشان مرکز بن گئی اور لوگ دُور دُور سے علمی اور رُوحانی استفاضہ کے لئے یہاں پہنچنے لگے۔ اوچ کے جس حصّے میں آپ کی سکونت تھی وہ اوچ بخاری کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور طالبینِ حق کا مرجع عقیدت بن گیا۔

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری کی تبلیغی کوششوں کی بدولت ہزاروں غیر مسلم اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے۔ ان میں ہندو راجپوتوں کے بہت سے قبائل اور ریاست بہاولپور

کی بہت سی اقوام یعنی چدھر، ڈاہر اور سیال وغیرہ بھی شامل تھیں۔

صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' کا بیان ہے کہ حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری نے پنجاب میں جھنگ سیالاں کی بنیاد رکھی اور وہ ہزاروں کافروں اور گمراہوں کو راہِ ہدایت پر لائے۔

ایک روایت میں ہے کہ چولستان کا راجہ گھلو بھی حضرت جلال سرخ بخاری کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

غرض سرزمینِ اوچ بیس برس سے زیادہ عرصہ تک حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری کے انوارِ فیوض و برکات سے جگمگاتی رہی۔ صاحب ''سفینۃ الاولیاء'' نے لکھا ہے کہ آپ علومِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔

مولانا عبدالحئی مرحوم نے اپنی کتاب ''نزہتہ الخواطر'' میں آپ کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں:

''آپ بہت بڑے عالم، عارف، فقیہہ زاہد پارسا اور دنیا کے تمام تعلقات سے منہ موڑ کر صرف اللہ سبحانہٗ کی طرف متوجہ تھے، درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ خلقتِ کثیر (بشمول علماء و مشائخ) آپ کے فیضانِ

علمی سے بہرہ یاب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد
میں بڑی برکت عطا فرمائی اور سارا ہندوستان اس کے
برکات و فیوض سے مستفیض ہوا"۔

حضرت سے بے شمار کرامات اور خوارق عادات منسوب ہیں۔ ان کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ ہزاروں مربع میل علاقہ، جہاں صدیوں سے گھنٹے اور نقوس بجتے تھے، حضرت کی تبلیغی مساعی کی بدولت اللہ اکبر کی صداؤں سے گونجنے لگا۔ معبودانِ باطل کا طلسم پاش پاش ہوگیا۔ اور ہر طرف خدائے واحد کی عبادت ہونے لگی۔

وصال

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری نے ۱۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۶۹۰ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۲۹۱ عیسوی کو پچانوے (۹۵) برس کی عمر میں وصال فرمایا۔

تاریخ وفات لفظ "مخدوم" سے برآمد ہوتی ہے۔ مزار مبارک اوچ شریف میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔ مقبرہ کی موجودہ عمارت نواب بہاول خان ثالث والی بہاولپور نے تعمیر کروائی تھی۔

اولاد

حضرت سید جلال سرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیچھے تین صاحبزادے چھوڑے (۱) سید احمد کبیر (۲) سید بہاؤالدین (۳) سید محمد۔ یہ تینوں صاحبزادے سید بدرالدین بھکری کے نواسے تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ بخارا والی اہلیہ کے بطن سے حضرت کے دو صاحبزادے سید علی اور سید جعفر پیدا ہوئے تھے۔ یہ دونوں صاحبزادے اپنے والد کی آمد سے قبل ہندوستان آ رہے تھے

کہ راستے میں گم ہو گئے اور پھر کبھی اپنے والد گرامی کو نہ مل سکے۔

"تاریخ اوچ" میں جناب مسعود حسن شہاب نے "انساب جلالی" مرتبہ سید صفی الدین محمد شاہ بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ سید جلال الدین سرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے سید جعفر کا انتقال ہندوستان میں کسی مقام پر ہو گیا اور سید علی واپس چلے گئے۔ سید جعفر کی اولاد قصبہ لاڑ اور اس سے کچھ دُور ایک گاؤں "بہشت" میں مقیم ہیں۔

سیّد احمد کبیر بُخاری
رحمۃ اللہ علیہ

آپ مخدوم سید جلال سُرخ بُخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ اکبر اور جانشین تھے۔ حضرت سید میراں محمد شاہ موج دریا بخاری قدس سرہٗ ان سے آٹھویں پُشت میں تھے۔

حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ بڑے عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ ان پر اکثر جذب ومستی کا غلبہ رہتا تھا۔ ان کے صاحبزادے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نماز ادا کرتے وقت یا کسی دوسرے وقت قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے تو فرطِ ذوق وشوق سے ان پر گریہ طاری ہو جاتا اور وہ زار زار رونے لگتے۔ عشقِ الٰہی ہر وقت ان کے سینے میں موج زن رہتا تھا، گرمی ہو یا سردی صرف ایک چادر میں ملبوس رہتے تھے۔ خوفِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ کبھی بستر پر نہ سوتے تھے کہ مبادا گہری نیند سو جائیں اور نماز قضا ہو جائے۔

حضرت سید احمد کبیر سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے والد حضرت جلال سرخ بخاری کے علاوہ حضرت خواجہ صدرالدین عارف ملتانی کے بھی خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ صدرالدین عارف کا

شمار اپنے دور کے مشہور مشائخ سہروردیہ میں ہوتا ہے۔ وہ حضرت خواجہ بہاؤالحق زکریا ملتانی کے فرزندِ اکبر اور جانشین تھے۔ اِن کی ولادت باسعادت ۶۱۵ھ میں ہوئی۔ تمام علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے جلیل القدر والد سے کی۔ والد گرامی کی وفات کے بعد وہ اٹھارہ سال تک ملتان میں منبع رشد و ہدایت بنے رہے۔ نہایت کشادہ دست و سخی تھے۔ لاکھوں آتے تھے اور لاکھوں لٹاتے تھے۔ ان کے وسیع لنگر سے روزانہ سینکڑوں علماء، فقراء، غرباء و مساکین فیض یاب ہوتے تھے۔ ۶۸۴ھ میں انہتّر (۶۹) سال کی عمر میں وفات پائی۔ مزارِ مبارک ملتان میں حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں ہے۔ ان کے فرزند شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانی کا شمار بھی سلسلۂ سہروردیہ کے مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔

خواجہ صدرالدین عارف کے خلفاء میں سے شیخ جمال خنداں، شیخ صلاح الدین درویش، شیخ احمد معشوق، شیخ حسام الدین ملتانی اور مولانا علاؤالدین خجندی نے دنیائے تصوّف میں بڑا نام پایا۔ سلسلۂ حسینیہ بخاریہ میں ان کو اپنے والدِ گرامی کی بیعت و اجازت حاصل تھی۔ سالِ وفات کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔

حضرت

مخدوم سیّد جلال الدّین بخاری

جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ

ولادت

جلال الحق والدّین حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید احمد کبیر کے فرزندِ ارجمند اور حضرت سید جلال الدین سُرخ بخاری کے پوتے تھے۔ آپ چھ واسطوں سے (ساتویں پُشت میں) حضرت سید میراں محمد شاہ موج بخاری کے مورث تھے۔

حضرت مخدوم جہانیاں کا شمار اکابر اولیائے سہروردیہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے سلسلۂ چشتیہ میں بھی حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ اور سلسلۂ عالیہ قادریہ سے بھی غایت درجہ عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۴ شعبان ۷۰۷ہ ہجری مطابق ۱۹ جنوری سنہ ۱۳۰۹ عیسوی کو اوچ شریف میں ہوئی۔

"خادمِ نبی" سے تاریخِ ولادت نکلتی ہے۔ اسمِ گرامی جلال الدین ہے "مخدوم جہانیاں" کا لقب مرشدِ گرامی نے عطا فرمایا۔ چونکہ کئی سال تک مختلف ممالک کی سیر و سیاحت میں مصروف رہے، اس لئے جہاں گشت کے لقب سے بھی مشہور ہو گئے۔

تعلیم و تربیت

ابتدائی تعلیم اوچ شریف میں سید محمد بخاری اور قاضی علامہ بہاؤالدین سے حاصل کی۔ اس کے بعد ملتان جاکر حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی خانقاہ کے علماء مولانا موسیٰ اور مولانا مجدالدین سے بھی دینی تعلیم حاصل کی۔ وہیں شیخ ابوالفتح رکن الدین کی بیعت کی اور علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اس سے پہلے وہ اپنے والد شیخ احمد کبیر اور چچا شیخ صدرالدین بخاری سے بھی خلافت حاصل کر چکے تھے۔

ان بزرگوں کے علاوہ مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے دوسرے مشائخِ طریقت سے بھی کسبِ فیض کیا۔ اور ان سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ ان میں سے شیخ نصیرالدین چراغ دہلی، سید احمد کبیر رفاعی، شیخ ابواسحاق گازرونی، شیخ عبداللہ یافعی، شیخ عبداللہ مطری اور شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

سیر و سیاحت

مسندِ ارشاد پر فائز ہونے کے بعد حضرت مخدوم جہانیاں سیاحت کے لئے روانہ ہوئے اور مصر، شام، حجاز، عراق، بلخ بخارا وغیرہ کے سفروں میں سالہا سال گزار دیئے۔ اس دوران میں متعدد بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور بے شمار بزرگوں اور اولیاء اللہ کی ملاقات اور فیوض سے بہرہ یاب ہوئے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار" میں لکھا ہے:

"سیاحت بسیار کردہ و از بسیار اولیاء نعمت و برکت یافتہ"

(انہوں نے سیاحت بہت کی اور بہت سارے اولیاء سے نعمتیں و برکتیں حاصل کیں۔)

سیاحت سے فارغ ہونے کے بعد اوچ شریف میں مستقل قیام فرمایا اور رُشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں بے شمار ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے پنجاب کے مشہور قبائل "کھرل" اور "نون" کا قبولِ اسلام بھی حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ کا مرہونِ منت ہے۔

حضرت کو اتباعِ شریعت میں خاص اہتمام تھا اور آپ کا کوئی قول یا فعل سُنّتِ نبوی کے خلاف نہیں ہوتا تھا۔ دوسرے

لوگوں کو بھی ہمیشہ پابندیٔ شریعت کی ہدایت اور تلقین فرمایا کرتے تھے۔ لوہا، تانبا پہننا اور داڑھی ترشوانا آپ کے نزدیک بدعت اور گمراہی تھا۔ عبادتِ الٰہی سے بے حد شغف تھا۔ پانچ وقت کی نماز کے علاوہ تہجّد، اشراق، چاشت اور صلوٰۃ الاوّابین بھی باقاعدگی سے ادا فرماتے تھے۔ رات کا بہت سا حصّہ نماز میں گزار دیتے تھے۔ اور صرف پابندیٔ سُنّت کی خاطر کچھ دیر سوتے تھے۔

اگرچہ بادشاہانِ وقت بھی حضرت مخدوم کے عقیدت مند تھے لیکن آپ کے انکسار کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے آپ کو گدائے عالم کہتے تھے۔ تواضع، عفو و درگزر، مہمان نوازی، خدمت خلق، جود وسخا اور شوقِ تبلیغ آپ کے چمنِ اخلاق کے سب سے خوش رنگ پھول تھے۔

حضرتِ مخدوم جہانیاں اپنے ہمعصر بزرگوں کا بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس سلسلہ سے وابستہ ہیں، بے حد احترام کرتے تھے۔ غوث الاعظم حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد عقیدت تھی اور ان کا ذکر بڑے احترام اور محبت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ

اخلاقِ حسنہ کا پیکرِ جمیل اور شریعت وطریقت کا نہایت حسین امتزاج تھے۔ یہاں آپ کے چند ملفوظات اور واقعاتِ زندگی کا اندراج دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

سرکاری خرچ پر حج

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ آپ بادشاہ کو لکھیں کہ وہ مجھے حج پر جانے کے لئے زادِ راہ عطا کرے کیوں کہ مجھے یہ سعادت حاصل کرنے کی سخت آرزو ہے۔ لیکن میری مالی حالت اس کی متحمل نہیں۔ آپ نے یہ سُن کر اپنے محرّر سے فرمایا کہ بادشاہ کو لکھ دو، کہ اس شخص کو سرکاری خزانہ سے حج پر جانے کا خرچ دیا جائے۔ پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"بھائی فِقہ کا یہ مسئلہ بھی سُن لو کہ جو شخص بادشاہوں سے زادِ راہ لے کر حج کو جاتا ہے، اس کا حج قبول نہیں ہوتا۔"

مہمان نوازی

حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے بیسیوں آدمی روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے لیکن آپ کسی کو کھلائے پلائے بغیر رخصت نہ کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی زندہ آدمی کی

ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مُردے کی زیارت کی۔

جب تک کوئی مہمان آپ کے یہاں مقیم رہتا نہ صرف اس کے کھانے پینے کا سامان مہیا کرتے تھے بلکہ نقد وظیفہ بھی دیتے تھے۔ اور اس کے قیام کے لئے علیحدہ حجرے کا انتظام کر دیتے تھے۔

صبر و تحمل

حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ اور قیام گاہ سے چیزیں اکثر چوری ہو جاتیں لیکن آپ ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیتے۔ ایک بار دہلی تشریف لے گئے تو وہاں بھی کسی نے آپ کی چادر اڑا لی۔ ایک عقیدت مند نے عرض کی: "حضرت آپ کی چیزیں اکثر چرائی جاتی ہیں، آپ چور کے لئے بد دُعا کریں"۔

فرمایا: "میں نے کبھی بد دُعا کی ہے اور نہ اب کروں گا بلکہ اگر چور سامنے آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا"۔

تارکِ نماز ولی نہیں بن سکتا

حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ حج بیت اللہ سے شرفیاب

ہو کر میں بھکر آیا تو وہاں کے لوگوں نے مجھے بتایا کہ قصبہ الور کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو نماز معاف کر دی ہے۔

میں یہ سُن کر درویش کی قیام گاہ پر پہنچا اس کے گرد بڑے بڑے اُمراء اور اکابر جمع تھے، میں اُن میں سے گزرتا ہوا اس درویش کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ سلام اس کو میں نے دانستہ نہیں کیا، میں نے اس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک نہیں سُنا: "الفرق بين المؤمن والكافر الصلوٰة"

یعنی: "مومن اور کافر کے درمیان نماز ہی سے امتیاز ہوتا ہے"

درویش نے جواب دیا "سید صاحب! میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آتے ہیں، بہشت کا کھانا لاتے ہیں، اللہ کا سلام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم میرے خاص بندوں میں سے ہو اور نماز کے مکلّف نہیں ہو"

مجھے یہ باتیں سُن کر سخت غصّہ آیا اور میں نے اس سے کہا: "بکواس مت کرو، سید المرسلین حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو نماز معاف نہیں ہوئی، تجھ جیسے جاہل

کے لئے کیسے ہوگئی ۔ تیرے پاس جبرائیل نہیں

بلکہ شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں جبرائیل ہوں

جبرائیل تو فرشتۂ وحی ہیں وہ نبیوں اور رسولوں ہی

کے پاس آتے تھے ۔ جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے

وہ غلاظت ہوتی ہے"۔

درویش نے کہا "سید صاحب ! وہ کھانا تو بے حد لذیذ ہوتا ہے"۔

میں نے کہا " اس کی حقیقت جلد تجھ پر ظاہر ہو جائے گی ۔

اب جب وہ نام نہاد فرشتہ تیرے پاس آئے تو تم "لَاحَوْلَ

وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" پڑھنا"۔

یہ تاکید کر کے میں اپنے مسکن پر واپس آگیا ۔ دوسرے دن

جب میں اس درویش کے پاس گیا تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا ،

اور کہنے لگا " یا حضرت میں نے آپ کے ارشاد کی

تعمیل کی ۔ جب وہ نام نہاد فرشتہ میرے پاس آیا

تو میں نے لاحول پڑھی ، وہ اسی وقت وہاں سے

غائب ہو گیا اور اس کا لایا ہوا کھانا میرے ہاتھ سے

گر پڑا اور میرے سارے کپڑے ناپاک ہو گئے"۔

یہ سن کر میں نے اس بے نماز درویش سے توبہ کروائی اور

جو نمازیں وہ ترک کر چکا تھا ان کی قضا پڑھوائی ۔

احترامِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک دفعہ ایک سید زادے حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے کفن کے لئے کپڑے کا سوال کیا۔ اتفاق سے اس وقت آپ کے پاس نہ کوئی فالتو کپڑا تھا اور نہ نقد روپیہ، خادمِ خاص سے فرمایا:

"سردی کا موسم گزر چکا ہے، مجھے اب گرم بستر کی ضرورت نہیں، اس سے روئی نکال لو، کپڑا ان صاحب کو دے دو اور روئی بیچ کر جو کچھ وصول ہو، درویشوں میں تقسیم کردو"

یہ فرما کر آپ نے نماز کی نیت باندھ لی۔ خادمِ خاص نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور ساتھ ہی کہا، حضرت مخدوم جہانیاں سائلوں پر کس قدر شفقت فرماتے ہیں، پھر اس نے یہ آیت پڑھی:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ٥

حضرت مخدوم جہانیاں نے یہ آیت سنی تو نماز توڑ دی اور خادمِ خاص پر غضب آلود نظر ڈال کر فرمایا "یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے کسی دوسرے کے لئے ہرگز نہیں ہو سکتی"

ایک گستاخ مُدعیٔ ولایت

حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں

ایک مرتبہ ایک شخص شہر اُوچ میں وارد ہوا اور اس نے دعویٰ کیا کہ وہ خاصانِ خدا میں سے ہے۔ اس کا دعویٰ اُسن کر ضعیف الاعتقاد لوگ جوق در جوق اس کے پاس جانے لگے۔ حضرت مخدوم ایک دن اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

اس نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا ”اے سّید! ابھی ابھی اللہ تعالیٰ میرے پاس سے اُٹھ کر گیا ہے۔“

حضرت مخدوم یہ سن کر جلال میں آگئے اور کڑک کر کہا: ”او ملعون! تُو کافر ہو گیا ہے۔ پھر سے کلمۂ شہادت پڑھ اور تجدیدِ اسلام کر“۔

یہ فرما کر آپ قاضیٔ شہر کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ اس ناہنجار کو بُلا کر باز پرس کرو، اگر توبہ کر لے تو معاف کر دے ورنہ وہ قتل کا مستحق ہے۔

چونکہ حاکمِ شہر بھی اس شخص کا معتقد ہو گیا تھا، اس لئے قاضی نے اس کو سزا دینے سے گریز کیا۔ حضرت مخدوم نے حاکم کو پیغام بھیجا کہ یہ شخص کاذب اور بدعقیدہ ہے، لوگوں میں

کُفر پھیلا رہا ہے۔ اگر تم نے اس کو سزا نہ دلوائی تو میں بادشاہ کے پاس شکایت کروں گا۔ اس پر حاکم نے اس شخص کو شہر بدر کر دیا۔

خطا کار کی دلجوئی

حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ ایک دن جامع مسجد میں نماز کے لئے گئے۔ مؤذن نے اذان میں ''اکبر'' کی جگہ ''اکبار'' کہا۔ آپ نے فرمایا یہ کُفر ہے۔ کیوں کہ اکبار شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ پھر قاضی القضاۃ صدر جہاں کی توجہ اس طرف دلائی۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے مؤذّن سے جواب طلبی کی۔ اس بے چارے کی جان پر بن گئی۔ بہ حالتِ زار حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی عتاب سے بچانے کی التجا کی۔ آپ کو اس پر رحم آگیا، اس کی کمر پر دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا:

''میں بادشاہ سے کہوں گا کہ وہ تمہیں اپنے کام پر بحال رکھے لیکن اکبار کبھی نہ کہنا اور نہ حی علی الصلوٰۃ کے بجائے حیا علی الصلوٰۃ کہنا کیوں کہ اس سے معنی بدل جاتے ہیں''۔

مظلوم کی سفارش

ایک مرتبہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے وزیر خان جہان نے ایک نوجوان کو ذاتی عداوت کی بناء پر قید میں ڈال دیا۔ اس نوجوان کا باپ حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ وزیر کے پاس میرے فرزند کی رہائی کے لئے سفارش کیجئے۔ وہ بے گناہ اور مظلوم ہے۔

حضرت مخدوم فوراً وزیر کے مکان پر پہنچے، لیکن اس نے نوجوان کو رہا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت واپس آ گئے لیکن اس نوجوان کا باپ بار بار آپ کی خدمت میں آتا تھا اور آپ بار بار وزیر کے پاس جاتے۔ وہ ہر بار اس نوجوان کو رہا کرنے سے صاف انکار کر دیتا تھا۔

شیخ جمالی نے ''سیر العارفین'' میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم اس مقصد کے لئے انیس (۱۹) بار وزیر کے پاس گئے۔ اور ناکام واپس آئے۔ جب بیسویں مرتبہ گئے تو وزیر نے جھلّا کر کہا: ''اے سیّد! تم کو شرم نہیں آتی کہ صاف جواب پا کر بھی بار بار میرے پاس آتے ہو۔''

آپ نے فرمایا: ''اے عزیز! مجھے تمہارے پاس آنے جانے میں دوہرا ثواب ملتا ہے ایک تو

اس بات کا کہ ایک مظلوم کو مصیبت سے بچانا چاہتا ہوں اور دوسرا اس بات کا کہ تجھ کو نیکوں کے گروہ میں داخل کرانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

وزیر آپ کا ارشاد سُن کر لرز اُٹھا اور آپ کے قدموں پر گر کر معافی مانگی پھر اس نے مظلوم نوجوان کو رہا کر دیا۔ اور بہت کچھ انعام واکرام دے کر اپنی زیادتی کی تلافی کی۔

وصال

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے تقریباً ستتر (۷۷) برس کی عمر میں عید الاضحیٰ کے دن ۷۸۵ھ (۱۳۸۴ء) میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ مزار شریف اوچ میں زیارت گاہِ خواص وعوام ہے۔ دروازہ پر یہ تاریخ درج ہے:

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمالِ شاہ
تاریخ بود ہفت صد وہشتاد وپنج سال
۷۸۵ھ

بے شمار کرامات اور خوارقِ عادات آپ سے منسوب ہیں۔

خلفاء

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک لاکھ ستّر ہزار دو سو چھیاسی مرید تھے۔ ان میں سے جن اصحاب کو خلافت عطا ہوئی ان میں سید ناصر الدین محمود، (فرزندِ اکبر) سید صدر الدین راجو قتال (برادرِ خورد حقیقی) سید محمود شیرازی، شیخ اخی راج گیری، سید اشرف الدین مشہدی، حافظ شیخ سراج الدین، شیخ بابو تاج بکھری اور سید علاؤالدین بن سعد حسینی (رحمھم اللہ علیہم اجمعین) کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت کی جانشینی کا شرف سید صدر الدین راجو قتال کو حاصل ہوا۔

اولاد

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے اپنے پیچھے چار فرزند چھوڑے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ سید ناصر الدین محمود بخاری۔

۲۔ سید شمس بخاری۔

۳۔ سید ماہ بخاری۔

۴۔ سید صدرالدین بخاری

ان میں سے سید ناصرالدین محمود بخاری چھٹی پشت میں حضرت میراں محمد شاہ موج بخاری کے مورث تھے۔

سیّد ناصرالدین محمود بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید ناصر الدّین محمود بخاری، حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ اکبر تھے۔ ولادتِ باسعادت ۲ ذیقعدہ ۷۴۰ھ (۱۳۴۱ء) میں ہوئی۔ ان کا شمار اپنے دور کے جلیل القدر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ خرقۂ خلافت اپنے والدِ گرامی سے حاصل کیا تھا۔ نہایت عالم و فاضل اور صاحبِ کمال بزرگ تھے۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے "خزینۃ الاصفیاء" میں لکھا ہے: سید ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری قدس اللہ سرہم جامع بود میانِ علومِ شریعت و طریقت و حقیقت و شرافت و سیادت و نجابت و خوارق و کرامات، در ولایت رتبہ عالی و مراتب بلند داشت۔ اگرچہ جانشین پدر بزرگوارِ وے سید صدر الدین راجو قتال بود، امّا وے نیز ارشاد طالبان و ہدایتِ

ایشاں آیتے از آیاتِ الٰہی بُود۔"

ترجمہ: "سید ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری قدس اللہ سرہم علومِ شریعت و طریقت، حقیقت و شرافت، سیادت و نجابت اور خوارق و کرامات کے جامع تھے۔ ولایت میں رُتبۂ عالی اور درجات بلند رکھتے ہیں۔ اگرچہ آپ کے والدِ بزرگوار کے جانشین سید صدر الدین راجو قتال تھے۔ لیکن طالبانِ حق کے ارشاد و ہدایت کے لئے وہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔"

حضرت سید ناصر الدین محمود نہایت فیاض اور کشادہ دست تھے اور اپنی سخاوت کی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہتے تھے آپ نے ۸۴۰ھ یا ۸۴۷ھ میں وفات پائی۔

حضرت سید ناصر الدین محمود نے بیس کے قریب صاحبزادے اپنے پیچھے چھوڑے۔ ان میں سے سات صاحبزادوں، سیّد حامد کبیر، سیّد علم الدّین، سیّد اسماعیل، سیّد فضل الدین فضل اللہ قطب العالم سیّد برہان الدین، سیّد علاؤ الدین اور سیّد شرف الدین کی اولاد پاکستان اور بھارت کے مختلف علاقوں اور شہروں میں ابھی تک موجود ہے۔

سیّد علم الدین بخاری (اوّل) رحمتہ اللہ علیہ

سید علم الدین بخاری بن سید ناصر الدین محمود پانچویں پُشت میں حضرت موج دریا بخاری کے مورث ہیں۔ انہوں نے اپنے والدِ گرامی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ان کے تین فرزند تھے۔ سید جلال الدین، سید ابوالخیر اور سید جمال الدین۔ سید جلال الدین اوچ میں مقیم رہے، سید جمال الدین نے بٹالہ ضلع گورداس پور میں سکونت اختیار کر لی۔ اور سید ابوالخیر کے فرزند سید ابوبکر، جلال پور پیروالا کے خاندانِ سادات کے مُورث ہوئے۔

سیّد جلال الدین اور ان کی اولاد

سید جلال الدین بخاری، سیّد علم الدین بخاری اوّل کے فرزندِ ارجمند، مرید اور خلیفہ تھے۔ ان سے خرقۂ خلافت ان کے فرزند سید علم الدین بخاری (ثانی) کو ملا۔ سید علم الدین بخاری نے یہ خرقہ اپنے فرزند سید نظام الدین بخاری کو منتقل کیا۔ انہوں نے اپنے فرزند سید صفی الدین بخاری کو دیا اور سید صفی الدین بخاری نے یہ مقدس امانت اپنے عظیم المرتبت فرزند مخدوم سید میراں محمد شاہ موج دریا بخاری نور اللہ مرقدہٗ کے سپرد کی۔

حضرت

سیّد میراں محمّدؒ شاہ موج دریا بخاری

کی

ولادت باسعادت

اور

آبائی وطن

ولادتِ باسعادت

حضرت مخدوم سید میراں محمد شاہ موج دریا بخاری ۹۴۰ھ / ۱۵۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپکی جائے ولادت خطۂ اولیاء "اوچ" (اُچ شریف) ہے۔

تاریخِ ولادت کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ البتہ جائے ولادت اور سالِ ولادت پر سبھی تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے۔

حضرت کی ولادت کے وقت ہندوستان پر نصیرالدین ہمایوں بادشاہ (دوسرے مغل فرمانروا) کی حکومت تھی۔ سلطنت ترکیہ کا فرمانروا سلطان سلیمانِ اعظم (سلیمان عالی شان قانونی) تھا۔ جس نے یورپ کے کئی ملکوں کو اپنا باجگزار بنا کر ترک سلطنت کو عُروج و اقتدار کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ گجرات کاٹھیاواڑ پر سلطان بہادر شاہ حکمران تھا۔ خاندیس پر حضرت کا ہم نام میراں محمد شاہ اوّل حکومت کر رہا تھا۔ جنوبی ہندوستان (دکن) میں مختلف خاندان حکمران تھے۔ برار پر دریا بن علاؤالدین (عماد شاہی) احمد نگر پر برہان اوّل (نظام شاہی) بدر پر امیر اوّل

(بریدشاہی) بیجاپور پر اسماعیل (عادل شاہی) اور گولکنڈہ پر جمشید (قطب شاہی) کی حکومت تھی۔

آبائی وطن

حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح النسب سید تھے۔ اور ان کے ہاشمی قریشی اجداد کرام کا وطن مکّہ معظمہ (حجاز عرب) تھا۔

ہجرت نبوی کے بعد سادات کا وطن مدینہ منورہ ہو گیا۔ بعد میں انقلابِ زمانہ کے تحت ساداتِ بنی فاطمہ مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے سرزمین عراق کے شہر سامرہ (سُرَّمن رائے) میں آباد ہوئے۔

حضرت امام علی نقی کی آٹھویں پُشت سے سید ابوالموید علی، سامرہ سے نقل مکانی کر کے بخارا چلے گئے۔ وہیں ان کے جلیل القدر فرزند سید جلال الدین میر سرخ بخاری پیدا ہوئے۔ حضرت موج دریا بخاری کے اجداد میں یہی سید جلال الدین میر سرخ بخاری سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے۔ کچھ عرصہ بھکر (سندھ) میں قیام فرمایا۔ پھر سال ہا سال تک اپنے مرشد حضرت خواجہ بہاؤالحق

بہاؤالدّین زکریا سہروردی کی خدمت میں ملتان رہے۔ مرشد کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اوچ تشریف لے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کرلی۔

آپ کے مفصّل حالات اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں۔ حضرت کی اولاد میں سے بھی بیشتر کا قیام اوچ میں رہا تاآنکہ حضرت موج دریا بخاری نے ۹۷۵ھ کے بعد اوچ سے نقل مکانی کر کے لاہور کو اپنا وطنِ ثانی بنایا۔ وقتاً فوقتاً بٹالہ اور اس کے نواحی دیہات خان فتا اور پسیانوالہ بھی تشریف لے جاتے تھے۔ جہاں آپ کی جاگیر تھی۔ گویا برِّ کوچک پاک و ہند میں آپ کا آبائی وطن اوچ شریف تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اوچ شریف کی قدامت، عظمت اور اہمیت کا اجمالی طور پہ تذکرہ کر دیا جائے۔

اوچ (اُچ) شریف

اوچ اُہ تکونی علاقے میں دریائے ستلج کے جنوبی کنارے پر واقع ہے جو دریائے چناب اور ستلج کے اتصال سے بنتا ہے۔ بہاولپور شہر سے جنوب مغرب کی جانب اس کا فاصلہ تقریباً

۴۵ میل ہے اور ملتان سے اس کی مسافت ۷۰ میل ہے۔ یہ ہزاروں برس پرانا شہر ہے۔ اور تاریخی اور مذہبی روایات کا عظیم مرکز ہے۔

شہر کے اندر اور باہر میلوں تک پھیلے ہوئے کھنڈر، مقبرے مزارات اور زمین کے چپہ چپہ سے برآمد ہونے والے نوادر اس کی قدامت اور عظمت کے امین اور شاہد ہیں۔ گو اب یہ ایک معمولی قصبہ رہ گیا ہے۔ لیکن اپنے دورِ عروج میں اس کی وسعت ساڑھے آٹھ سو مربع میل پر محیط تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا طول ۳۶ میل اور عرض ۲۴ میل تھا اور ایک دوسرے سے ملحق سات بڑی آبادیاں اس میں شامل تھیں۔ گویا اوچ کے اردگرد ۳۶ اور ۲۴ میل تک کے تمام قصبے اور دیہات اس وقت خاص اوچ کا حصہ تھے۔

ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ اوچ کے دورِ عروج میں ایک وقت شہر کے اندر ایک لاکھ مسلح سپاہی ہر وقت موجود رہتے تھے، اسی سے شہر کی وسعت اور گہما گہمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

شہر اوچ کی بنیاد کس نے رکھی اور یہ کب آباد ہوا؟ اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن تاریخ میں اس کے وجود کا سراغ مسیح سے سینکڑوں سال پہلے تک ملتا ہے اور اس

کی قدامت ہڑپہ (ضلع ساہیوال پنجاب) اور موئن جوڈارو (ضلع لاڑکانہ سندھ) کی قدامت سے مشابہہ ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے۔ مثلاً اُشاس، اوسا اوچھو، اسکالندا، ہوڈ، ہوچ، بھاٹیہ، اوچہ، اُچ، ارور، اسکلند اوسا اسکندریہ، رور اور اوچ وغیرہ۔

مؤرخین نے ہر نام کا پس منظر بھی بیان کیا ہے۔ اور وجہ تسمیہ بھی دی ہے۔ لیکن اوچ (اُچ) نام کے سلسلے کی ایک مشہور روایت مشکوک اور خلافِ قیاس ہے، وہ یہ کہ حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری جب اس شہر میں وارد ہوئے تو اس کا نام دیوگڑھ یا کچھ اور تھا۔ اور یہ اوچھارانی (یا رانی اوچھ) کے تصرف میں تھا۔ یہ رانی حضرت کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں مسلمان ہوگئی اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئی۔

چنانچہ اسی نام کی نسبت سے یہ شہر اوچھ (اور پھر اوچ) مشہور ہوگیا۔ اوچ میں حضرت جلال الدین سرخ بخاری کے مزار مبارک کے باہر داخلی دروازے کے بائیں جانب ایک قبر آج بھی رانی اوچھا سے منسوب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اوچھا (اوچھ) رانی نام کی کسی مقتدر ہندو خاتون نے حضرت میر سرخ بخاری کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا ہو، لیکن یہ بات درست نہیں کہ یہ شہر اس کے نام

پر اوُچ مشہور ہوا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی دور کی ابتداء (عہدِ شہاب الدین محمد غوری) سے پہلے ہی یہ شہر اوچ کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

حضرت سید جلال الدین میر سرُخ بخاری ۶۶۷ھ/۱۲۶۸ء یا ۶۶۸ھ/۱۲۶۹ء میں اوچ تشریف لائے تو اس وقت اس کا یہی (اوچ) نام تھا اور اس پر اسلامی اقتدار قائم ہوئے تقریباً ایک صدی گزر چکی تھی۔ شمالی ہندوستان (بشمول اوچ) کا فرمانروا خاندانِ غلاماں کا گلِ سرِ سبد سلطان غیاث الدین بلبن تھا (۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء تا ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء)۔

میر علی شیر قانع نے اوچ کی وجہ تسمیّہ یہ لکھی ہے کہ اس شہر کی سطح زمین کافی اونچی ہے۔ اس لئے اس کو اوچ کہتے ہیں۔ یہ وجہ تسمیہ قرینِ قیاس ہے۔ کیوں کہ سرائیکی زبان میں اوچ (یا اُچ) کے معنی بلندی (اونچائی) یا بلند (اونچی) جگہ کے ہیں۔ پنجابی زبان میں بھی اُچّی یا اُچّا کے الفاظ بلند کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

زمانہ کے انقلابات اور گردشوں نے اوچ کو اتنی بار بسایا اور اجاڑا کہ اس کا شمار ناممکن ہے۔ گردشِ زمانہ کی چکّی میں پسنے کے معاملہ میں اگر اوچ کو بیت المقدس (یروشلم) سے تشبیہ دی جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے اور اس کے بعد بھی ہر دور میں اوچ خاص اہمیت کا حامل رہا ہے۔ یہاں تک کہ کئی دفعہ فرمانروایانِ وقت نے اسے اپنا دارالحکومت بنایا۔ زمانۂ قبل و بعد مسیح میں بیسیوں فاتحین اور کشور کشاؤں نے اس شہر کو اپنے حملوں کا ہدف بنایا۔ کبھی یہ شہر درختوں، سانپوں، پتھروں اور لاتعداد دیوی دیوتاؤں کے پوجنے والوں کا مسکن تھا پھر اس نے آریاؤں کی آمد آمد کو دیکھا۔ ہندو اور بدھ مت کے عروج و زوال کا مشاہدہ کیا۔ سکندرِ اعظم کی فاتحانہ یلغار کو اپنے سینے پر لیا۔ ایک وہ وقت تھا کہ سینکڑوں مربع میل پر پھیلے ہوئے اس شہر میں کئی اہم درسگاہیں اور تجارتی منڈیاں تھیں۔ اور بحری سفر کے لئے یہ ایک اہم مرکز تھا۔ اس کے دو جانب موجیں مارتے ہوئے گہرے اور چوڑے دریا تھے جن میں باقاعدہ جہاز رانی ہوتی تھی۔ اور پھر وہ وقت آیا کہ گردشِ زمانہ نے اس کا محلِ وقوع ہی بدل کے رکھ دیا۔

آج یہ شہر چار پانچ مربع میل کے اندر اوچ موغلہ، اوچ بخاری اور اوچ گیلانی نام کی تین بستیوں پر مشتمل ہے جن میں صرف دس ہزار نفوس آباد ہیں۔ ان بستیوں کے اندر اور میلوں تک پھیلے ہوئے کھنڈر اوچ کی عظمتِ رفتہ کے نوحہ خواں ہیں۔

کوہِ فاران سے آفتابِ اسلام کے طلوع ہونے کے بعد سب سے پہلے اُموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں محمد بن قاسم نے اس شہر کو فتح کیا۔ چند سال بعد اس پر پھر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا۔ ان کی سرکوبی سلطان محمود غزنوی نے کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ اس پر باطنی یا قرامطی حکمرانوں کا غلبہ رہا۔ ان کو سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ختم کیا۔ اور ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ خاندانِ غلاماں کے پہلے بادشاہ سلطان قطب الدین ایبک کے داماد ناصر الدین قباچہ نے اوچ کو اپنا دار الحکومت بنایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے عہد میں اوچ اسلامی علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔

خاندانِ غلاماں کے بعد اوچ پر خلجی، تغلق، سادات، لودھی، مغل اور بعض مقامی قبیلوں کے حکمرانوں کا تسلط رہا۔ آخری دور میں ریاست بہاولپور کے عباسی حکمرانوں نے اوچ کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ ظہورِ پاکستان کے بعد جب ریاستوں کو ختم کر کے ملحقہ صوبوں میں ضم کیا گیا تو اوچ ضلع بہاولپور (پنجاب) کا ایک قصبہ قرار پایا۔ اس کی دنیوی حیثیت سے قطعِ نظر آج بھی یہ شہر برِ کوچک کے لاکھوں مسلمانوں کا مرجعِ عقیدت ہے کیونکہ اس سرزمین میں ایک لاکھ سے زائد خاصانِ خدا، علماء اور صلحاء

دفن ہیں۔ اس شہر کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہوئی کہ یہ بیک وقت طریقت کے چار عظیم خانوادوں کا مرکز بنا۔ ان خانوادوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ سلسلۂ گاذرونیہ

۲۔ سلسلۂ سہروردیہ

۳۔ سلسلۂ بخاریہ

۴۔ سلسلۂ گیلانیہ (قادریہ)

سلسلۂ گاذرونی کے بانی حضرت سید صفی الدین گاذرونی تھے جو چوتھی صدی ہجری میں اوچ تشریف لائے اور تقریباً اٹھائیس سال تک ارشاد و تبلیغ میں مشغول رہ کر ۳۹۸ھ میں واصل بحق ہوئے۔ وہ سب سے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اوچ میں ایک عظیم الشان دینی مدرسہ قائم کیا جس میں پانچ سو سے زیادہ طلباء تعلیم پاتے تھے۔ اس کے بعد ناصر الدین قباچہ کے عہد میں ایک عظیم دینی درسگاہ کا سراغ ملتا ہے۔ (یہ درسگاہ قباچہ کے عہد میں قائم ہوئی یا اسماعیلی باطنی حکمرانوں کے دور میں اس کے بارے میں اختلاف ہے۔)

اس درسگاہ کا نام مدرسۂ فیروزیہ تھا مشہور عالم شاعر اور صوفی علامہ قاضی منہاج سراج (ابو عمرو عثمان بن محمد بن ابراہیم بن عبدالخالق

جوزجانی (مصنف ناصری نامہ و طبقات ناصری) اسی مدرسے کے پرنسپل تھے۔

سلسلۂ سہروردیہ میں سب سے پہلے شیخ جمال الدین خنداںؒ رو نے اوچ میں خانقاہِ جمالیہ کی بنیاد رکھی۔ وہ شیخ صدرالدین عارف کے خلیفہ تھے۔ اور علم وفضل اور طریقت و معرفت میں بڑے بلند مقام کے حامل تھے۔ سالِ وفات ۶۲۵ھ ہے۔

۶۶۷ھ یا ۶۶۸ھ میں حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری اوچ میں تشریف لائے اور یہاں خانقاہِ بخاریہ کی بنیاد رکھی۔ وہ ایک ہی وقت میں سلسلۂ سہروردیہ اور خانوادۂ بخاریہ کے چشم و چراغ تھے۔ خود آپ نے اور پھر آپ کی اولاد نے برِّ کوچک پاک و ہند میں تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں محیّرالعقول کارنامے انجام دیئے۔ حضرت سید موج دریا بخاری انہیں کی اولاد سے ہیں۔

۸۸۷ھ میں حضرت سید محمد غوث (بن سید شاہ میر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سید عبدالوہاب بن پیرِ پیراں شیخ عبدالقادر جیلانی) کی تشریف آوری پر اوچ سلسلۂ عالیہ قادریہ، (گیلانیہ) کا بھی مرکز بن گیا۔ ان کی اولاد میں شیخ عبدالقادر جیلانی ثانی میراں سید مبارک حقانی، سید عبداللہ ربانی، سید عبدالرزاق گیلانی، سید حامد گنج بخش، سید موسیٰ پاک شہید،

سید محمد غوث بالا پیر اور کئی دوسرے بزرگوں نے دنیائے تصوّف میں بڑا نام پایا۔

مشہور زیارت گاہیں

آج کل اوچ کی چند مشہور زیارت گاہیں یہ ہیں؛

۱۔ مزار مبارک حضرت سید صفی الدین گاذرونی۔

یہ ایک قدیم مسطح عمارت میں ہے جو زمین کی عام سطح سے ساڑھے ستّر فٹ بلند ہے۔ قبر کا تعویذ عمارت کے فرش سے تقریباً پانچ فٹ بلند ہے۔ مزار کی عمارت میں اور بھی بہت سی قبور ہیں جو آپ کی اولاد کی ہیں۔

۲۔ مزار مبارک حضرت سید جلال الدین میر سرخ بخاری

ایک کشادہ عمارت میں ہے۔ احاطۂ مزار میں ایک قدیم مسجد بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے حضرت کو چناب رسول پور میں دفن کیا گیا تھا جو اس وقت اوچ کا ایک محلہ تھا۔ جب دریا کے سیلاب سے مزار کو خطرہ پیدا ہوا تو آپ کا جسدِ مُبارک یہاں سے نکال کر سیونک بیلا میں سپرد خاک کیا گیا۔ یہاں بھی دریا کی طغیانی کا اثر دریا تک پہنچا تو آپ کی میّت کو

صدرالدین راجو قتال کے مزار سے متصل دفن کیا گیا۔ سنہ ۱۰۲۶ھ میں مخدوم نو بہار اوّل نے آپ کے جسدِ مبارک کو اس جگہ منتقل کیا جہاں آج کل مزار مبارک ہے۔

۲۔ مزار مبارک حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت۔

مدفن مبارک ایک بڑی عمارت میں سطح زمین سے چار فٹ کی بلندی پر ہے۔ مزار کے بائیں پہلو میں آپ کے فرزند مخدوم سید ناصرالدین محمود کی قبر ہے۔ ان دونوں قبروں کے اِرد گرد بیسیوں قبریں اور ہیں۔ عمارت کی چھت منقّش ہے اور اس کی بیرونی دیواریں ملتانی کاشی کاری سے مزیّن ہیں۔

مزار کے مشرقی جانب ایک قدیم مسجد ہے جو مسجدِ حاجات کے نام سے مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کئی نامور شیوخ وقت اس مسجد میں اعتکاف میں رہے۔ ان میں بابا فریدالدین گنجِ شکر، خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلی اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

بعض روایتوں کے مطابق یہ مسجد محمد بن قاسم کے عہدِ فتوحات میں تعمیر ہوئی۔ پہلے اس کا نام مسجدِ حجّاج تھا جو امتدادِ زمانہ سے مسجدِ حاجات میں بدل گیا۔

اس مسجد کے شمال مشرقی کونے میں ایک کنواں ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ یہاں شیخ الشیوخ عالم بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے نمازِ معکوس ادا فرمائی تھی۔

۴۔ مزارِ مبارک سید صدر الدین راجن (راجو) قتال۔

عمارتِ مزار نہایت کشادہ، خوبصورت اور قابلِ دید ہے۔ آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے حقیقی بھائی خلیفہ اور جانشین تھے۔ بڑی جلالی طبیعت کے مالک تھے ۸۲۷ھ/۱۴۲۴ء میں واصل بحق ہوئے۔

۵۔ مزار سید فضل الدین فضل اللہ۔

آپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے اور مخدوم سید ناصر الدین محمود کے فرزند تھے، بڑے صاحبِ کمال بزرگ تھے۔

۶۔ مزار بی بی تگنی۔

بی بی تگنی مخدوم سید ناصر الدین محمود کی اہلیہ اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی بہو تھیں۔ ان سے کئی کرامات منسوب ہیں۔ قبر ایک حجرے میں ہے، جس میں صرف عورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔

۷۔ مزار بی بی جیوندی۔

بی بی جیوندی (یا جِندوڈی) مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد سے تھیں۔ بڑی بزرگ اور مستجاب الدعوات خاتون تھیں۔ ان کا مقبرہ محمد دلشاد بادشاہِ خراسان نے سنہ ۹۰۰ھ/۱۴۹۴ء میں تعمیر کرایا تھا۔ نہایت عظیم الشان عمارت ہے اور حسنِ تعمیر کا شاہکار ہے۔ اس کا آدھا گنبد حوادثِ زمانہ کی نذر ہو چکا ہے۔

۸۔ مزار علامہ قاضی بہاؤالدین (بہاول حلیم)

علامہ قاضی بہاؤالدین المعروف بہ بہاول حلیم کا شمار اپنے دور کے یگانہ روزگار علماء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک درسگاہ قائم کی تھی، جو مدرسہ بہائیہ کے نام سے مشہور تھی۔ وہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے اُستاد تھے۔ حضرت مخدوم نے ان کی قبر پر عظیم الشان مقبرہ تعمیر کرایا۔ اس مقبرہ کا نصف حصہ سیلِ دریا کی نذر ہو چکا ہے۔ اور باقی نصف اپنی عظمتِ رفتہ کی یاد دلاتا ہے۔

۹۔ مرقد گامن سچار۔

یہ مرقد جلال الدین سرخ بخاری کے احاطۂ مزار کے قریب

ہے حضرت گامن صلحائے زمانہ میں سے تھے۔ اور اظہارِ حق میں نہایت بے باک تھے۔ اسی لئے سچّار (سچّے) کے لقب سے مشہور ہوگئے۔

۱۰۔ مزار سرمست مجذوب۔

حضرت سرمست مجذوب سید جلال الدین سرخ بخاری کے ہمعصر تھے۔ کئی کرامتیں ان سے منسوب ہیں۔ مزار حضرت جلال سرخ بخاری کے احاطۂ مزار کے قریب ہے۔

۱۱۔ مزار سید بندگی محمد غوث۔

حضرت سید محمد غوث اوچ کے خانوادہ گیلانیہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ مزار کی عمارت مسطح ہے اور نہایت خوبصورت ہے۔ اس کے ساتھ خانوادہ گیلانی کے دوسرے بزرگوں کے مزارات بھی ہیں۔ قریب ہی اوچ گیلانی کی عظیم الشان جامع مسجد ہے۔

۱۲۔ مقبرۂ اوّل حضرت موسیٰ پاک شہید۔

سید ابوالحسن جمال الدین المعروف بہ موسیٰ پاک شہید بن سید حامد گنج بخش بن سید عبدالرزاق گیلانی بن سید عبدالقادر ثانی بن سید محمد غوث کا شمار اپنے دور کے اولیائے کبار میں ہوتا ہے۔ خاندان میں باہمی تنازعوں سے دل برداشتہ

ہو کر وہ ملتان تشریف لے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار فرمالی۔ ۱۰۰ھ میں لنگاہ قبیلہ کے ایک بد بخت نے آپ کو شہید کر دیا، جسدِ مبارک کو پہلے اوچ لے جاکر اس جگہ دفن کیا گیا جہاں یہ عظیم الشان مقبرہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد ان کے ورثاء تابوت کو ملتان لے گئے جہاں ان کا مزار مبارک مرجع خاص و عام ہے۔

اوچ والے مقبرے میں آج کل ایک مدرسۂ اطفال قائم ہے۔ اوچ میں ان مزارات کے علاوہ اور بھی بہت سے مزارات پر عقیدت مند حاضر ہوتے ہیں۔ کئی قدیم اور جدید عمارات بھی قابلِ دید ہیں اور کھنڈروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ قدم قدم پر کوئی نہ کوئی کھنڈر سامانِ عبرت مہیا کرتا ہے۔ قبروں کی کثرت کی وجہ سے محکمہ آثارِ قدیمہ کے ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہیں۔ ورنہ اوچ میں کھدائی کی جائے تو ہزارہا برس کی دفن شدہ تہذیبوں کے آثار برآمد ہو سکتے ہیں۔ فی الحال تو سطح زمین پر موجود آثارِ قدیمہ بھی محکمہ آثارِ قدیمہ کی نظرِ التفات سے محروم ہیں۔

اُوچ کے تبرکات اور علمی نوادر

اوچ کے خانوادۂ بخاریہ اور گیلانیہ کے پاس بہت سے تبرّکات اور علمی نوادر محفوظ ہیں۔

خانوادۂ بخاریہ کے تبرّکات و نوادر میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مُبارک اور رُومال۔
۲۔ حضرت فاطمۃ الزہرا بتول بنتِ رسول اللہ کی چادر مُبارک۔
۳۔ حضرت امام حسن کی تلوار صمصام۔
۴۔ حضرت امام حسین کی تلوار قمقام۔
۵۔ حضرت سلمان فارسی کی چادر مُبارک۔
۶۔ پیرانِ پیر حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانی کی ٹوپی، تسبیح اور قینچی۔
۷۔ حضرتِ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید اور آپ کے ملفوظات پر مشتمل قلمی کتابیں جامع العلوم، خزانۂ جلالی، مظہرِ جلالی، جواہر جلالی۔ ان کے علاوہ شاہانِ وقت کے فرامین وغیرہ۔

خانوادۂ گیلانیہ کے تبرّکات و نوادر میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی دستار مبارک۔

۲۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا جُبّہ مُبارک جس کے اندر حضرت کی والدہ ماجدہ نے اشرفیوں کو محفوظ کیا تھا لیکن آپ نے ڈاکوؤں کو ان کے بارے میں بتا دیا تھا اور آپ کی راست گوئی سے متاثر ہو کر ڈاکو تائب ہو گئے تھے۔

۳۔ ہرن کی کھال پر خطِ کوفی میں لکھے ہوئے قرآن پاک کے چند اجزاء (یہ امام حسین سے منسوب ہیں)۔

۴۔ انتخاب کشف المحجوب۔ مرتبہ ابوسعید ھجویری۔

۵۔ تفسیر حسینی، مُلّا حسین الواعظ کاشفی کا ایک نسخہ مکتوبہ یاقوت رقم۔

۶۔ شرح غنیۃ الطالبین، مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی کے قلم سے۔

۷۔ شمس العارفین سلطان باہو کا قلمی نسخہ۔

۸۔ شاہنامہ فردوسی قلمی مصوّر۔

ان کے علاوہ اور بھی بے شمار نادر و نایاب قلمی اور مطبوعہ کتابیں، مصوری کے شاہکار اور دوسرے نوادر گیلانی سجادگان کے پاس نہایت اچھی حالت میں محفوظ ہیں۔

حضرت موج دریا بخاری قدس سرہٗ

اوائل عمر

سے

مرتبۂ کمال تک

اوائلِ عُمر

حضرت سید میراں محمد شاہ موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ علم و فضل کا گہوارہ اور شریعت و طریقت کا جامع تھا۔ ان کے قابلِ فخر اجداد بالخصوص حضرت سید جلال الدین میر سُرخ بخاری اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی عظمت اور شہرت نے تمام عالمِ اسلام میں اپنے جھنڈے گاڑ رکھے تھے۔ ان بزرگوں کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں برِّ صغیر کے لاکھوں لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی تھی۔ اوچ میں نہ صرف ان کی ابدی آرام گاہیں مرجع خلائق تھیں بلکہ ان آرام گاہوں کے وابستگان جو انہی بزرگوں کی اولاد میں سے تھے، لاکھوں بندگانِ خدا کی عقیدت و احترام کا مرکز تھے اور ان کے فیوض و برکات سے سرزمینِ اوچ تجلّیاتِ الٰہی کا مقامِ نزول بنی ہوئی تھی۔

بخاری اور گیلانی خانوادوں کی خانقاہیں علم و عرفان اور ہدایت و ارشاد کا مرکز تھیں۔ ایک طرف سید صفی الدین اور دوسرے بخاری بزرگ اور دوسری طرف میراں سید مبارک حقانی، سیّد

عبداللہ ربّانی، سید عبدالرزاق گیلانی اور سید حامد گنج بخش گیلانی مسندِ طریقت پر متمکن تھے۔ اور گم گشتگانِ راہ کے لئے مینارۂ نُور بنے ہوئے تھے۔

گو یا حضرت موج دریا بخاری نے جس ماحول میں پرورش پائی اس میں ہر طرف قال اللہ وقال الرسول کا چرچا تھا۔ تذکرہ نگاروں نے حضرت موج دریا کے اساتذہ کے نام نہیں لکھے لیکن قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کے علاوہ اس دور کے کئی دوسرے بڑے علماء وصلحاء سے علومِ ظاہری و باطنی حاصل کئے اور منزلِ شباب تک پہنچتے پہنچتے علم و فضل کا دریا بن گئے۔ اور پھر اپنے عظیم المرتبت اجداد کی مسندِ ہدایت و فیض پر جلوہ گر ہو گئے۔ ان کی ذاتِ پاک شریعت و طریقت کا ایک حسین امتزاج تھی اور ان کے دل میں تبلیغ اسلام کا جوش ہر وقت موج زن رہتا تھا۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ کثیر التعداد غیر مسلم بالحصوص ہندو راجپوت آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے۔ پابندیٔ شریعت اور یادِ الٰہی میں بے پناہ انہماک نے آپ کو خاصانِ خدا میں شامل کر دیا تھا۔ اور آپ ایک مستجاب الدعوات اور برگزیدہ بزرگ کی حیثیت سے برِّ صغیر کی تمام اطراف میں مشہور ہو گئے

تھے۔

۹۷۵ھ میں جب آپ کی عمر مبارک پینتیس برس تھی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آپ کی عظمت اور شہرت کے سورج کو عروج تک پہنچا دیا۔ اس واقعہ سے پہلے ہندوستان دو زبردست سیاسی انقلاب کی زد میں آچکا تھا۔ جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔ حضرت موج دریا دوسرے مغل بادشاہ نصیر الدین ہمایوں بن بابر کے عہدِ حکومت میں ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ۹۴۶ھ/۱۵۳۹ء میں جب آپ کی عمر چھ برس کی تھی، شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو چولسا کے مقام پر شکست اور اس سے اگلے سال قنوج میں شکست دے کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

ہمایوں کو پہلے سندھ میں اور پھر ایران میں پناہ لینی پڑی، شیر شاہ سوری ایک دیندار، مدبّر اور عادل فرمانروا تھا۔ پانچ سال تک دادِ حکمرانی دینے کے بعد وہ کالنجر کے محاصرے کے دوران میں شدید زخمی ہو کر فوت ہو گیا۔ اس کے بعد دس سال تک اس کی اولاد تختِ ہندوستان پر قابض رہی۔ یہاں تک کہ ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے شاہِ ایران کی مدد سے اپنا کھویا ہوا تخت سوری خاندان سے پھر حاصل کیا۔ ہمایوں نے ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء میں

وفات پائی تو جلال الدین اکبر ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ اس وقت حضرت موج دریا کی عمر ۲۳ برس کی تھی۔ اور وہ شریعت و معرفت کی منزلیں بڑی تیزی سے طے کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنے دور کے اوج کی سب سے عظیم المرتبت شخصیت بن گئے۔ اور آپ کے زہد و تقویٰ، علم و فضل اور کشف و کرامات کا چرچا دُور دُور تک ہونے لگا۔

بادشاہِ وقت دُعا کا خواستگار ہوتا ہے

جلال الدین اکبر بادشاہ کو اپنے عہدِ حکومت کی ابتداء میں بڑی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن اس نے اپنے اتالیق (استاد) بیرم خان کی مدد سے رفتہ رفتہ سب مشکلات پر قابو پالیا اور پھر وہ $\frac{\text{۹۷۵ھ}}{\text{۱۵۶۷ء}}$ میں چتوڑ کی طرف متوجہ ہوا۔ جہاں کے راجپوت حکمران بڑے سرکش اور مغرور تھے۔ چتوڑ کا قلعہ ایک بہت بلند پہاڑی پر واقع تھا اور اپنے استحکامات کی بناء پر ناقابلِ فتح سمجھا جاتا تھا۔ یہ رانا اودے پور کے ماتحت تھا اور میواڑ کے راجپوت اسے اپنے راج کا ایک مقدس مقام سمجھتے تھے۔ چتوڑ کی فتح پر سارے راجپوتانہ کی فتح کا انحصار تھا۔

چنانچہ اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے اکبر خود ایک جرّار لشکر کے ساتھ چتوڑ پہنچا۔ راجپوت، جے مل کی سرکردگی میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ اور اکبر نے جمعرات ۱۹ ربیع الاوّل ۹۷۵ھ کو قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ راجپوتوں نے ایسی شدید مزاحمت کی کہ مسلسل پانچ ماہ کی زبردست جدوجہد اور جنگ وجدال کے باوجود قلعہ فتح ہونے میں نہ آیا۔ اس مہم سے ناکام واپس جانا ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے لئے زبردست خطرات بلکہ تباہی کا موجب بن سکتا تھا۔

اس زمانے میں اکبر، مشائخ و اولیاء کا بہت معتقد تھا۔ کسی نے اسے بتایا کہ اوچ میں میراں محمد شاہ بخاری ایک مستجاب الدعوات بزرگ قیام پذیر ہیں۔ اس نازک گھڑی میں ان سے دُعا کی درخواست کی جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کرے گا۔

اکبر نے فوراً اپنے دربار کے چند قابلِ اعتماد اُمراء حضرت کی خدمت میں روانہ کئے اور ان کے ذریعہ سے آپ سے دُعا کا درخواست گزار ہوا۔ ساتھ ہی ایک تیز رفتار سانڈنی بھیج کر آپ سے خود چتوڑ میں قدم رنجہ فرمانے کی استدعا کی۔

حضرت نے بادشاہ کا پیغام سن کر شاہی امراء سے فرمایا کہ

تم واپس جاؤ، میں خود ہی چتوڑ پہنچ جاؤں گا۔

انہوں نے عرض کی "حضرت، شاہی لشکر گاہ میلوں تک پھیلی ہوئی ہے، ہمیں کیسے علم ہوگا کہ آپ تشریف لائے ہیں"۔ فرمایا "ہمارے پہنچنے کے بعد ایک رات کو نہایت تیز آندھی آئے گی جس سے تمام خیمے اُکھڑ جائیں گے، قناتیں گر پڑیں گی۔ آگ کے الاؤ، مشعلیں اور چراغ سب بُجھ جائیں گے۔ اور ہر طرف سخت تاریکی چھا جائے گی۔ اس وقت صرف ایک خیمے میں چراغ جل رہا ہوگا یہی خیمہ میری قیام گاہ ہوگا"۔

قلعہ چتوڑ کی فتح

حضرت کا ارشاد سُن کر شاہی اُمراء واپس چلے گئے۔ جس دن وہ چتوڑ پہنچے اور بادشاہ کو اپنا پیغام سُنایا، اسی شب کو ہولناک آندھی آئی۔ تمام شامیانے اور خیمے گر پڑے اور شمعیں اور چراغ گُل ہو گئے۔ تاہم میدانِ جنگ سے کچھ دُور ایک خیمے میں چراغ جل رہا تھا۔ بادشاہ اور سردارانِ فوج اس کی تلاش میں تھے۔ فوراً اس خیمے کی طرف لپکے۔ بادشاہ نے سرداروں کو خیمے کے باہر کھڑا کیا اور خود برہنہ پا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔

حضرت اس وقت بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز تھے۔ سر اُٹھایا تو ہندوستان کے فرمانروا کو برہنہ پا اپنے سامنے اور امرائے شاہی کو خیمے کے باہر دست بستہ کھڑے پایا۔ حضرت نے فرمایا "کل علی الصبح حملہ کرو، انشاءاللہ قلعہ فتح ہو جائے گا"۔ پھر آپ خود قلعہ کے قریب تشریف لے گئے اور زبانِ مُبارک سے تین بار بآوازِ بلند اللہ۔ اللہ۔ اللہ کہا۔

چنانچہ دوسرے دن اکبر نے علی الصباح قلعہ پر ایک زوردار حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ یہ ۲۵ شعبان ۹۷۵ھ کا دن تھا، اس طرح پانچ ماہ اکیس دن کے تکلیف دہ محاصرے کے بعد یہ بظاہر ناقابلِ تسخیر قلعہ حضرت کی دُعا سے فتح ہو گیا۔

لاہور میں آمد

فتح چتوڑ کے بعد اکبر کو حضرت موج دریا قدس سرہٗ سے بے پناہ عقیدت پیدا ہو گئی اور اس نے آپ سے درخواست کی کہ وہ شاہی محل میں قیام پذیر ہو کر اس کی سرپرستی فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا "میں فقیر آدمی ہوں، شاہی محلوں سے مجھے کیا سروکار"۔ اکبر نے بہت اصرار کیا، لیکن آپ نے اس کے پاس قیام

منظور نہ کیا۔ اس پر اکبر نے ایک خطیر رقم کے علاوہ نو لاکھ روپے کی جاگیریں نواحِ بٹالہ (ضلع گورداس پور) اور لاہور میں بطورِ نذرانہ پیش کیں۔ (بعض تذکروں میں جاگیروں کی مالیت ایک لاکھ روپے درج ہے) حضرت نے بادشاہ کی نذر قبول فرمالی۔ تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو۔

مولوی نور احمد مرحوم نے "تحقیقاتِ چشتی" میں لکھا ہے کہ فرمان عطائے جاگیر بادشاہی مہروں سے مزّین تاحال آپ کی اولاد کے پاس موجود ہے۔

چونکہ آپ کی جاگیر سے بہت سے زرخیز دیہات لاہور کے نواح میں واقع تھے۔ اس لئے آپ سنہ ۹۷۵ھ اور سنہ ۹۸۰ھ کے درمیان کسی وقت اوچ سے نقل مکانی کر کے لاہور تشریف لے آئے۔ اور یہیں مستقل اقامت اختیار فرمالی۔ قیام لاہور کے دوران میں آپ گاہے گاہے بٹالہ خان فتا اور پسیانوالہ بھی تشریف لے جاتے تھے۔ جہاں آپ کی جاگیر کے دوسرے دیہات واقع تھے۔

موجِ دریائے فیض

حضرت مخدوم سید میراں محمد شاہ بخاری موج دریا کے لقب

سے کیسے مشہور ہوئے؟ تذکرہ نگاروں نے اس کی تقریح نہیں کی۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لقب آپ کو اپنے بے مثال جذبۂ خیر، جودوسخا، معارف پروری اور خدمتِ خلق کی بدولت، حاصل ہوا۔ آپ نے اپنی جاگیر کی ساری آمدنی خدمتِ خلق کے لئے وقف کردی۔ اور لاہور، موضع خان فتا اور موضع پسیانوالہ (نواح بٹالہ) میں تین عظیم الشان لنگر خانے جاری کئے جو غرباء ومساکین کے لئے دن رات کھُلے رہتے تھے۔ مسافر بھی ان سے فیضیاب ہوتے تھے اور مقامی لوگ بھی۔

صاحبِ "تحقیقاتِ چشتی" کا بیان ہے کہ خان فتا اور پسیانوالہ میں بھنڈاری اور مودی آپ کے لنگر خانوں کے منتظم تھے اور ان کی اولاد اب تک انہی ناموں سے مشہور ہے۔

لاہور کے وسیع لنگر خانے کے ساتھ آپ نے اپنے اہلِ خاندان کے لئے کئی حویلیاں تعمیر کروائیں۔ درسگاہ قائم کی، علماء وفقراء کے لئے مکانات بنوائے۔ درویشوں اور مسافروں کے کے لئے مہمان خانے بنوائے۔ خانقاہ کی وسیع وعریض عمارت تعمیر کروائی، کنوئیں کھدوائے۔ یہ سب عمارات تقریباً ایک مربع میل کے احاطے میں اس جگہ موجود تھیں جہاں آج کل آپ کا مزار مبارک موجود ہے۔ یہ تمام عمارتیں انقلابِ زمانہ کی نذر

ہو گئیں اور مزارِ مبارک کا احاطہ سمٹتے سمٹتے بہت مختصر رہ گیا۔

حضرت میراں محمد شاہ نوّر اللہ مرقدہٗ حقیقت میں دریائے فیض کی موج تھے۔ آپ کے لنگروں میں قسم قسم کے کھانے پکتے تھے اور غرباء و مساکین خوب سیر ہو کر کھاتے تھے۔

آپ اخلاقِ محمدی کا مظہر تھے۔ نہایت شیریں زبان، بردبار، پابندِ شرع، معارف پرور، دریادل اور کشادہ دست تھے۔ جو آپ کے در پہ آتا کبھی خالی ہاتھ واپس نہ جاتا۔ ہر ایک کے ساتھ نیکی اور ہر ایک کی خدمت، یہ آپ کی زندگی کا دستور تھا، اسی لئے زبانِ خلق پر آپ کا لقب موج دریا مشہور ہو گیا تھا۔

لاہور اور بٹالہ میں آپ کا دریائے فیض تقریباً چھتیس سال تک جاری رہا۔ یہ اکبر بادشاہ کا عہدِ حکومت تھا۔ لاہور ۹۹۴ھ/۱۵۸۶ء سے ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء تک اکبر کا دارالحکومت رہا۔ اس دوران میں حضرت موج دریا سے اس کی عقیدت برابر قائم رہی اور آپ کا مقبرہ بھی اسی نے تعمیر کروایا۔

خوارقِ عادات

حضرت موج دریا بخاری سے بے شمار کرامات (خوارقِ عادات)

منسوب ہیں حقیقت میں اولیاء اللہ کی عظمت کا انحصار کرامات پر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ کرامات دکھانے سے اجتناب فرماتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان سے وقتاً فوقتاً کرامات سرزد ہو جاتی ہیں۔ یا خاص حالات کے تحت انہیں مجبوراً لوگوں کو قدرتِ خداوندی کا تماشا دکھانا پڑتا ہے۔ ہم یہاں بطورِ تبرک حضرت کی دو تین کرامات درج کرتے ہیں۔

•

ایک دن ایک بدعقیدہ شخص نے حضرت موج دریا کی مجلس میں کہا کہ پنجابی کا مقولہ ہے۔ "سیّد سنّی نہیں کاٹھ دی گنّی نہیں"۔ (یعنی سیّد سُنّی نہیں ہوتا اور دیگ لکڑی کی نہیں ہوتی۔) اور یہ بھی کہا کہ سیّدوں کا آگ میں بال تک نہیں جلتا۔ اب ایسے سید کہاں پیدا ہوتے ہیں؟

یہ سُن کر حضرت موج دریا بخاری جلال میں آ گئے، لکڑی کی ایک ہنڈیا منگوائی اور دونوں پاؤں کا چولہا بنا کر اس میں آگ جلوائی، پھر ہنڈیا آگ پر رکھ کر اس میں چاول پکائے۔ اور اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "دیکھ سیّد سُنّی ہے اور ہنڈیا لکڑی کی اور آگ نے سیّد کے پاؤں کو نہیں جلایا"۔

وہ یہ کرامت دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا، آپ کے پاؤں پر

گر پڑا اور توبہ کی۔

•

ایک دفعہ حضرت موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ اپنی درسگاہ میں بیٹھے تعلیم دے رہے تھے کہ زمینداروں کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے علاقہ مزنگ اور گردونواح کا پانی بہت کھاری اور نمکین ہے جس سے ہماری فصلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ خدا کے لئے دعا فرمائیں کہ پانی شیریں ہو جائے۔

حضرت نہایت کریم النفس تھے اسی وقت دستِ دعا اٹھائے اور گریہ وزاری سے بارگاہِ الٰہی میں اس پانی کے میٹھے ہونے کی دعا کی۔ خدا کی قدرت اس علاقہ کے تمام کنوؤں کا پانی میٹھا ہو گیا اور آج تک میٹھا ہے۔

•

ایک دفعہ حضرت موج دریا رحمتہ اللہ علیہ کے لنگر خانے کا ناظم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ لگاتار بارشوں کی وجہ سے چاولوں سے لدی ہوئی بیل گاڑیاں لنگر خانہ تک نہیں پہنچ سکیں اور لوگ ضد کر رہے ہیں کہ انہیں چاول کھلائے جائیں۔

حضرت نے فرمایا۔ "کوئی مضائقہ نہیں، ایک دیگ چولہے پر چڑھا دو اور اس میں ہم وزن چاول، گھی اور گوشت ڈال کر پکاؤ"۔

اس نے ارشاد کی تعمیل کی۔ آپ نے دیگ لنگر خانہ میں رکھوا دی اور اس پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ پھر فرمایا کہ جس قدر ضرورت ہو اس دیگ سے چاول نکالتے جاؤ۔ چنانچہ ہزارہا لوگ آتے خود بھی سیر ہو کر کھاتے اور گھروں کو بھی لے جاتے، دیگ کے چاول ختم ہونے میں نہ آتے۔ یہ کیفیت سات یوم تک رہی۔ اس دوران میں جب بھی چاول نکالے جاتے وہ اتنے گرم ہوتے جیسے دیگ ابھی ابھی چولہے سے اُتاری گئی ہے۔

اسی اثناء میں بارشیں تھم گئیں اور کافی مقدار میں چاول لنگر خانے میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد حسبِ سابق لنگر کا انتظام جاری ہو گیا۔

وصال

آخر وہ وقت آ پہنچا جو کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے اصولِ ربّانی کے تحت ہر ذی رُوح کو ایک نہ ایک دن ضرور

پیش آنا ہے۔ رُشد و ہدایت، شریعت و طریقت، جود و سخا، فقر و استغنا، زُہد و تقویٰ اور علم و عمل کا وہ آفتاب جو پورے تہتّر برس تک خطۂ پنجاب (بشمول بہاولپور) پر نُور برساتا رہا، ۱۷ ربیع الثانی ۱۰۱۳ھ/۱۶۰۴ء کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

پیکِ اجل کو لبیک کہتے وقت حضرت سید میراں محمّد شاہ موج دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ بٹالہ ضلع گورداس پور سے تین کوس کے فاصلے پر اپنی جاگیر موضع خان فتا میں رونق افروز تھے وہیں آپ کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا۔

مُنشی محمد دین فوقؔ کشمیری مرحوم کا بیان ہے کہ جس مقام پر (خان فتا میں) آپ کو غسل دیا گیا، عقیدت مندوں نے وہاں بھی ایک قبر بنا دی جو آج تک موجود ہے۔ جناب فوقؔ مرحوم کا یہ بیان ۱۹۴۵ء کا ہے۔

خان فتا سے آپ کی وصیّت کے مطابق فرزندانِ ارجمند اور مُریدانِ باصفا، میّت مُبارک کو لاہور لے آئے اور موجودہ مقبرہ میں دفن کیا۔

روضۂ حضرت موج دریا بخاری نور اللہ مرقدہٗ

بحرِ عالم میں مزارِ موج دریا دیکھ کر
"کشتئ عمرِ رواں" کو فوقؔ لرزاں دیکھئے
(منشی محمد دین فوقؔ مرحوم)

حضرت موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا روضہ مبارک آپ کے وصال سے پہلے ہی ۱۰۰۰ھ ۱۵۹۱ء میں تیار ہو چکا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اسے جلال الدین اکبر بادشاہ کے حکم سے تعمیر کرایا گیا تھا۔ خاص روضہ مبارک کی زمین، بلکہ اس سے متصل دُور دُور تک وسیع رقبہ حضرت موج دریا کی اپنی ملکیت تھا۔ اس میں عظیم الشان حویلیاں، وسیع لنگر خانہ، مسجد اور درویشوں اور مسافروں کے لئے عالیشان پختہ قیام گاہیں موجود تھیں۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا، ان عمارتوں پر دوسرے لوگ قابض ہو گئے۔ تاہم تین صدیاں گزرنے تک بھی کچھ عمارات غاصبوں کی دست برد سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ رائے بہادر کنہیا لال ۱۸۸۴ء میں اپنی "تاریخِ لاہور" میں لکھتے ہیں۔

"حضرت موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی چاردیواری

کے متعلق بہت سی عمارات ہیں۔ چنانچہ مسجد پختہ و مکان سکونت خادمانِ خانقاہ و کنواں وغیرہ سب پختہ عمارت کے موجود ہیں"۔

یہ عبارت سکھا شاہی دور کے بعد کی ہے۔ گویا سکھوں نے بھی ان عمارات کو نہیں چھیڑا۔ بلکہ اکثر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ، حضرت موج دریا بخاری کا عقیدت مند تھا اور سالانہ نذر و پیشکش کے علاوہ مزار مبارک کے اخراجات کے لئے چالیس روپے ماہوار دیا کرتا تھا۔ اس زمانہ کے چالیس روپے آج کل کے کئی ہزار روپوں سے بھی زیادہ قدر و قیمت کے حامل تھے)۔

گذشتہ ایک صدی میں یہ منظر بھی بدل گیا اور روضۂ مبارک کا رقبہ بالکل محدود ہو گیا۔ پہلے روضۂ مبارک کا عظیم الشان گنبد ایک ایک میل دُور سے نظر آتا تھا، لیکن اب کمشنر انکم ٹیکس اور اکاؤنٹنٹ جنرل وغیرہ کے دفتروں، جنرل پوسٹ آفس اور دوسری جدید عمارات نے اسے قریب قریب نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔

روضۂ مبارک آٹھ پہلو بلند کرسی پر واقع ہے۔ اس پر ایک عظیم الشان گنبد ہے۔ اس کے اندرونی جانب سیاہ پتھر

کی لکیریں اب بھی پرانی نقاشی وصنعت کی مظہر ہیں۔ اب ان لکیروں پر سفیدی پھیر دی گئی ہے م۔ شمال کی جانب چراغ دان ہے جس کے اوپر جالی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی روشن دان ہیں۔ روضہ کے اندر حضرت موج دریا کی قبر مبارک کے علاوہ ۱۰ (دس) قبریں اور ہیں۔ جو آپ کے فرزندوں اور عزیزوں کی ہیں آج کل حضرت کے مرقد مبارک پر یہ کتبہ نصب ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ

مرکزِ انوار

زبدۃ الواصلین قدوۃ العارفین سراج السالکین حضرت سید میراں محمد شاہ نقوی
البخاری سہروردی المعروف میراں موج دریا بخاری نور اللہ مرقدہ

موج دریا آں امامِ اولیاء　　نورِ چشم سرورِ کونین را
راہنمائے راہِ دیں حاجت روا　　منبع جود و سخا فضلِ الٰہ

ولادت سنہ ۹۴۰ ھ ہجری المقدس

وصال سنہ ۱۰۱۳ ھ ہجری المقدس

مرزا عبد الرؤف بیگ مزنگ لاہور
۱۳ رمضان المبارک سنہ ۱۳۸۳ ہجری

روضۂ حضرت موج دریا کی دیواروں پر اشعار

سیّد محمد لطیف مرحوم اور رائے بہادر کنہیّا لال نے (اپنی اپنی) "تاریخِ لاہور" میں لکھا ہے کہ حضرت موج دریا کے روضہ کے ہر ایک پہلو پر فارسی اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ یہ آج سے تقریباً ایک صدی پہلے کا ذکر ہے۔ امتدادِ زمانہ نے اب ان اشعار کو مٹا دیا ہے اور آج کل کوئی شعر نظر نہیں آتا۔ سیّد محمد لطیف مرحوم نے روضہ کی دیواروں پر درج یہ اشعار نقل کئے ہیں۔

زروضاتِ جہاں بر دار دل را
زجسم خلق داں ایں آب و گل را!
رُخِ وَجّهتُ وَجْهِی در خُدا کُن
دل خود را ازیں دُنیا جُدا کُن
کہ آخر کار دنیا ناتمام است
درونِ خاک ہر کس را مقام است
بتوفیقِ خُدائے لُطف گستر
بارواحِ بزرگانِ مطہر

بسعیِ سیّد رحمت شاہ بخاری

مرتّب گشت اسفیداج کاری

خردِ تاریخ او در گوشِ ہر کس بگفتا "روضۂ والا مقدس"

۱۲۵۳ ہجری مطابق ۱۸۳۷ عیسوی

●

ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موج دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نسل میں سے سید رحمت شاہ بخاری نے یہ اشعار اُس وقت لکھوائے جب انہوں نے (۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء میں) روضہ کی مرمت کروائی اور اس کا رنگ و روغن درست کرایا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے بھی روضہ کی دیواروں پر اشعار کندہ ہوں اور اس وقت مٹ چکے ہوں، لیکن تاریخ میں ان کی تفصیل نہیں ملتی۔

سید محمد لطیف نے روضہ کی شمالی دیوار کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

محمد عربی کا بروئے ہر دو سرا است

کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

روضۂ مُبارک کے سامنے کے دروازے پر ایک پتھر پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے جو اب تک صاف پڑھی جاتی ہے۔

"روضۂ مقدس زبدۃ الواصلین قدوۃ العارفین
مقبولِ بارگاہِ ایزد باری سید محمد شاہ موج دریا بخاری
نور اللہ مرقدہٗ در عہدِ اکبر شاہ تعمیر یافت"۔

تاریخ ولادت و وصال

لاہور کے مشہور تذکرہ نویس، مؤرخ شاعر اور تاریخ گو مفتی غلام سرور مرحوم نے حضرت موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت ۹۴۰ ہجری اور وصال ۱۰۱۳ ہجری (۱۶۰۴ء) کی تاریخیں اس طرح منظوم کی ہیں۔

سیّدِ پاک، بحرِ عرفانی
موج دریا، ولیٔ والاجاہ
سیدِ دین، پیرِ روشن دل

۹۴۰ھ

ہست تولید او عیاں چو ماہ
سالِ وصلش چو از خرد جستم
گفت دل "خواجہ محمد شاہ"

۱۳۱۰ھ

بحرِ تاریخِ وصالش نامئ حامد بگفت!
"موجِ دریائے بخارا عزتِ بزمم است سال"

۱۶۰۴ء

ازواج و اولاد

حضرت محمد میراں محمد شاہ موج دریا بخاری نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کیں۔ بڑی اہلیہ کا نام سیدہ بی بی فاطمہ ثانی تھا۔ وہ حضرت بی بی کلاں کے لقب سے مشہور ہیں۔ بی بی فاطمہ ثانی پیرِ پیراں سیدنا شیخ عبدالقادر گیلانی کی اولاد سے تھیں۔ ان کے دادا حضرت سید محمد غوث بالا پیر گیلانی تھے۔ اور والد سید عبدالقادر گیلانی ثالث المعروف بہ سید جیون تھے۔ حضرت بی بی فاطمہ ثانی بڑی عبادت گزار اور متقی خاتون تھیں۔ اور درجۂ ولایت پر فائز تھیں۔

پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے اپنی کتاب "بزرگانِ لاہور" میں لکھا ہے کہ ایک دن بی بی صاحبہ نے اپنی چادر دھو کر دھوپ میں ڈالنی چاہی لیکن عصر کا وقت تھا اور دھوپ گھر میں

صرف بیری کے درخت کی چوٹی پر تھی ۔ آپ نے اس درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا: " اے درخت ! اپنی ٹہنیاں جھکا دے تاکہ میں اپنی چادر ان پر ڈال کر خشک کر سکوں "۔

ٹہنیاں فوراً نیچے ہو گئیں ۔ بی بی صاحبہ نے اپنی چادر ان پر ڈال دی اور وہ پھر بلند ہو گئیں ۔ حضرت موج دریا گھر تشریف لائے اور چادر کو درخت پر پڑا پایا تو سمجھے کہ بی بی صاحبہ نے درخت پر چڑھ کر یہ کام کیا ہے ۔ آپ نے غصّہ میں آ کر بی بی صاحبہ سے باز پُرس کی تو انہوں نے قسم کھا کر بتایا کہ میں درخت پر نہیں چڑھی ، بلکہ خود درخت نے اپنی ٹہنیاں جھکا دیں ۔

حضرت موج دریا نے فرمایا تو پھر اسی طرح درخت سے چادر اُتار دو ۔ چنانچہ بی بی صاحبہ نے درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا " اے درخت ! اب اپنا سر جھکا لے تاکہ میں اپنی چادر تجھ سے واپس لوں " ۔

درخت کی ٹہنیاں فوراً نیچی ہو گئیں اور بی بی صاحبہ نے اپنی چادر اس سے کھینچ لی ۔ حضرت موج دریا نے دریافت کیا کہ یہ کمال کس سے حاصل کیا ۔ انہوں نے عرض کی " یہ ہماری موروثی دولت ہے " ۔

بی بی فاطمہ نے سنہ ۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۷ء میں وفات پائی اور اپنے شوہر نامدار کے مزارِ مبارک کے متصل دفن ہوئیں۔ مرقدِ اطہر پہلے روضۂ موج دریا کے احاطے کے اندر تھا، پھر روضہ اور اس کے درمیان بہت سے مکانات حائل ہو گئے۔ بی بی صاحبہ کا سادہ مزار اب لیک روڈ پر زیارت گاہِ خلائق ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ یوں منظوم کی ہے:

شد ز دُنیا چوں جنابِ فاطمہ
سُرمۂ چشمِ جہاں شد خاکِ او
غوثِ اعظم بود جدِّ آں جناب
"اعظمے" آمد وصالِ پاکِ او
۱۰۱۶ھ

سیّدہ بی بی فاطمہ ثانی گیلانی (حضرت بی بی کلاں) کے بطن سے حضرت موج دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے۔ بڑے کا نام سید صفی الدین تھا اور چھوٹے کا سید بہاؤ الدین۔ دونوں علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں درجۂ کمال پر فائز تھے۔

حضرت موج دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری اہلیہ محترمہ (غیر سیّدہ) کا نام بی بی نور نگ تھا۔ انہوں نے ساری عمر بٹالہ میں

گزاری اور وفات کے بعد وہیں دفن ہوئیں۔

ان کے بطن سے سید شہاب الدین المعروف بہ سیّد شہاب الدین نہرا پیدا ہوئے، جو اپنے زمانے کے اکابر اولیاء میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت سیّد شہابُ الدّین نہرا ابن سیّد موج دریا بخاری

حضرت سید شہاب الدین نہرا رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اپنے دور کے عارفانِ الٰہی میں ہوتا ہے۔ وہ ولایت اور کرامت میں اپنے جلیل القدر والد حضرت سید موج دریا بخاری کے وارث تھے اور طریقت اور شریعت کا نہایت حسین امتزاج تھے۔ ساری عمر ارشاد و ہدایت میں گزاری اور بے شمار لوگوں کو فیض یاب کیا۔ سال ولادت ۹۶۵ھ ہے۔

ان کا لقب نہرا کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بڑے وجیہہ اور علم و فضل کا دریا تھے۔ کسی شخص کو ان سے بحث کرنے کی ہمّت نہیں پڑتی تھی۔ اس لئے والدِ گرامی نے انہیں نہرا کا خطاب دیا۔ جس کے معنی ہیں "شیر" یعنی شہاب الدین شیر۔

دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے ایک شیر کو پنجرے سے

آزاد کیا تھا۔ اس لئے نہرا کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

حضرت سے بہت سی کرامتیں منسوب ہیں۔ ان میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ حاکم چونڈ سیّد شیر شاہ ہندوستان کے سادات میں سے صرف اپنے خاندان کو صحیح النسب سیّد سمجھتا تھا۔ اس نے ایک شیر پنجرے میں بند کر رکھا تھا۔ اس کے ساتھ لوہے کا ایک تنوّر بنایا ہوا تھا اور ایک زنجیر اور لکڑی کا تیر بھی بنا رکھا تھا۔ شیر شاہ کا دعویٰ تھا کہ جس کو صحیح النسب سیّد ہونے کا دعویٰ ہو وہ شیر کا سامنا کرے، دہکتے ہوئے لوہے کے تنور میں داخل ہو اور چوبی تیر سے نشانہ لگا کر آہنی لوہے کی زنجیر چھید دے۔

سید شہاب الدین کو اس کے دعوے کا علم ہوا تو اپنے ایک خادم محمد شفیع لوہار کے ہمراہ چونڈ پہنچے۔ پہلے شیر کے پنجرے کا دروازہ کھولا اور شیر کو کان سے پکڑ کر کہا، "جا تو آزاد ہے۔" پھر لکڑی کا تیر چلا کر زورِ کرامت سے آہنی زنجیر میں چھید کر دیا۔ شیر شاہ نے اب تنور گرم کرایا اور حضرت سے کہا کہ ذرا اس میں بھی داخل ہو کر دکھائیں۔

آپ نے فرمایا یہ کام تو میرا خادم بھی کر سکتا ہے چنانچہ آپ نے محمد شفیع لوہار کو اپنا رومال دے کر فرمایا کہ یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ ہ پڑھتے ہوئے اس تنور

میں داخل ہو جا۔ اس نے ارشاد کی تعمیل کی اور اس کا بال تک بیکا نہ ہوا۔ شیر شاہ یہ کرامت دیکھ کر حضرت شہاب الدین کے قدموں میں گر پڑا اور آپ کی بیعت کر کے سارا مال و منال راہِ خدا میں لٹا دیا۔

حضرت شہاب الدین نہرا نے ۱۰۴۱ھ (۱۶۳۱ء) یا ۱۰۴۷ھ (۱۶۳۷ء) میں بمقام لاہور وفات پائی۔ وصال سے پہلے اولاد کو وصیّت فرمائی کہ ان کی قبر کا تعویذ پختہ نہ بنایا جائے اور نہ اس پر گنبد بنایا جائے۔ چنانچہ آپ کی کچّی قبر مبارک موضع بھوگی وال لاہور میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

لوگوں میں یہ سینہ بہ سینہ روایت مشہور ہے کہ جس کسی نے حضرت سید شہاب الدین نہرا کے مرقد مبارک پر گنبد یا کوئی پختہ عمارت بنانے کا ارادہ کیا وہ کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا اور اسے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

سید شہاب الدین نہرا کی والدہ ماجدہ بی بی لونرنگ کی مستقل اقامت چونکہ بٹالہ ضلع گورداس پور میں تھی اس لئے آپ نے بھی اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ بٹالہ میں گزارا۔ تاہم آپ کا وصال لاہور میں ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں بڑی برکت دی سنہ ۱۹۴۷ء

سے پہلے حضرت کی اولاد بٹالہ، لاہور اور ڈیرہ اسماعیل خاں (سرحد) میں آباد تھی۔ اور دینی و دنیاوی لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد اس خاندان کے افراد بٹالہ سے ہجرت کر کے پنجاب کے مختلف اضلاع راولپنڈی سرگودھا، جھنگ، ملتان، فیصل آباد اور گوجرانوالہ وغیرہ میں آباد ہو گئے۔

پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے "بزرگانِ لاہور" میں لکھا ہے کہ ایک قلمی کتاب میں حضرت موج دریا کے چوتھے فرزند کا ذکر بھی ملتا ہے جن کا اسمِ گرامی فتح اللہ شاہ تھا۔ لیکن وہ فتح شاہ بخاری کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا مزار پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے بیرونِ دروازہ لوہگڑھ امرتسر میں زیارت گاہِ خلائق تھا۔ اور "دربارِ فتح شاہ بخاری" کے نام سے مشہور تھا۔

حضرت فتح شاہ بخاری واقعی حضرت موج دریا بخاری کے فرزندِ حقیقی تھے۔ یا فرزندِ روحانی یا وہ آپ سے کوئی اور نسبت رکھتے تھے۔ کسی مستند تذکرے میں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ اس لئے اس بارے میں ہم واللہ اعلم بالصواب کہنے پر اکتفا کریں گے۔

حضرت سید موج دریا بخاری کی اولاد میں سید مشک علی شاہ

سید زندہ امام، سید حیدر شاہ، سید زندہ نوری، سید ہمت اللہ شاہ، سید حیات شاہ، سید فوجے شاہ اور سید عبداللہ شاہ نوری اپنے دور کے خاصانِ خدا اور اولیائے کامل میں شمار ہوئے۔

برادرِ حقیقی حضرت سیّد موج دریا

سیّد سلطان جلال الدّین حیدر بن سیّد صفی الدّین

حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر، حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کے حقیقی بھائی تھے۔ وہ علومِ ظاہری و باطنی کا بحرِ ذخّار تھے۔ دنیا سے کنارہ کش رہ کر اپنا بیشتر وقت جنگلوں اور ویران جگہوں میں عبادتِ الٰہی میں گزارتے تھے۔

مفتی غلام سرور لاہوری ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سید جلال الدین حید برادرِ حقیقی میراں محمد شاہ موج دریا بخاری ست۔ جامع علومِ ظاہری و باطنی و کمالاتِ صوری و معنوی، عابد و زاہد تارک الدنیا بود، با دنیا و اہلِ دنیا کارے نداشت و در تجرید و تفرید یگانۂ روزگار، ہر چند کہ "موج دریا" اورا بجود خواندے او بسبب ایں کہ "موج دریا" بدنیا ہم اشتغال داشت بوے کم رغبت فرمودے و شب و روز در دیرانہا بعبادتِ حق

بسر بردے۔

ترجمہ: سید جلال الدین حیدر، میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کے حقیقی بھائی ہیں. ظاہری و باطنی علوم اور صوری و معنوی کمالات کے جامع تھے۔ عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھے۔ دنیا اور اہلِ دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے، تجرید و تفرید میں یگانۂ روزگار تھے۔ اگرچہ موج دریا ان کو خود بلاتے تھے، لیکن وہ ان کی طرف اس لئے کم رغبت رکھتے تھے کہ موج دریا کا کچھ تعلق دنیا سے بھی تھا۔ وہ رات دن ویرانوں میں مصروفِ عبادت رہتے تھے۔"

(خزینۃ الاصفیاء)

حضرت سید جلال الدین حیدر نے ۱۰۱۶ھ (۱۶۰۷ء) میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ مزارِ مبارک بی بی حاج و بی بی تاج (دخترانِ سید احمد توختہ ترمذی) کے مقبرہ کے مغربی جانب ہے۔ عوام ان کے روضے کو روضۂ استاد بیبیاں کہتے ہیں۔ آپ کی اولاد موضع بھوگی وال میں آباد ہے۔

تاریخِ وصال مفتی غلام سرور لاہوری نے یوں منظوم کی ہے۔

شاہ جلال الدین چو از دنیا بخلد | وصلِ آں روحِ جہاں جانِ بہشت
"خواجۂ کشاف" و "عاشق مقتدا است" | ہم "جلال الدین سلطانِ بہشت"

۱۰۱۶ھ — ۱۰۱۶ھ — ۱۰۱۶ھ

گر زِ نامی بپرس اے ہشیار | ہست تاریخ مظہرِ اسرار

۱۶۰۷ھ

خلیفۂ اجلؒ

حضرت سیّد عبد الرزاق المعروف بہ سیّد مکی نوراللہ مرقدہٗ

حضرت میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کے خلفاء خاص میں حضرت سید عبدالرزاق المشہور بہ سید مکی نے غیر معمولی شہرت پائی۔ ان کا تعلق ساداتِ سبزوار سے تھا۔ پہلے غزنی سے پشاور آئے، وہاں کچھ عرصہ قیام کرکے دہلی پہنچے اور شاہی سپاہ میں بھرتی ہو گئے۔ نوکری میں دل نہ لگا اور حضرت موج دریا بخاری کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ تمام شب مرشدِ گرامی کی خدمت میں گزارتے اور دن کے وقت اپنے حجرے میں مشغولِ عبادت رہتے۔ مرشدِ گرامی نے خوش ہو کر اپنا خرقۂ

خلافت عنایت فرمایا اور دُعائے خیر دی۔

آپ علومِ ظاہری و باطنی میں درجۂ کمال پر فائز تھے۔ علائقِ دنیاوی سے کنارہ کش رہتے تھے اور نہایت عابد و زاہد اور متقی تھے۔

"تاریخِ اوچ" میں جناب مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے کہ سید عبدالرزاق نے (مرشد کی وفات کے بعد) ایک نئے سلسلۂ طریقت رزاق شاہیہ کی بنیاد رکھی۔

۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں واصلِ حق ہوئے۔ مزار مبارک انارکلی بازار سے متصل "نیلا گنبد" کے نام سے مشہور ہے۔

تاریخِ رحلت از مفتی غلام سرور لاہوری۔

چو در خلدِ معلّٰی شد زِ دُنیا	جناب شیخِ عالم عبدِ رزاق
وصالش "محسنِ فیض" است دیگر	"شہِ مہدیٔ مکرم عبدِ رزاق"
۱۰۴۸ھ	۱۰۴۸ھ
چو تاریخ پرسند نامی! بگو	"سخاوت شعار و خوش خلق" است
۱۶۳۸ء	۱۶۳۸ء

کتابیات

اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں جن کتابوں سے براہِ راست یا بالواسطہ مدد لی گئی ہے ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ تاریخِ فرشتہ ـــــــ محمد قاسم فرشتہ

۲۔ سفینۃ الاولیاء ـــــــ دارالشکوہ

۳۔ فوائد الفواد ـــــــ ملفوظاتِ محبوبِ الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء

۴۔ اخبار الاخیار ـــــــ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

۵۔ خزینۃ الاصفیاء ـــــــ مفتی غلام سرور لاہوری

۶۔ ہفتاد اولیاء ـــــــ شاہ مراد مارہروی

۷۔ آبِ کوثر ـــــــ شیخ محمد اکرام

۸۔ بزمِ صوفیہ ـــــــ مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن (مرحوم)

۹۔ تاریخِ ملتان ـــــــ مولانا نور احمد خان فریدی

۱۰۔ نزہتہ الخواطر ـــــــ مولانا حکیم عبدالحئی

۱۱۔ سفرنامہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت

۱۲۔ دربارِ اکبری ـــــــ شمس العلماء محمد حسین آزاد

۱۳۔ روحانیت کے تاجدار ـــــ صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی

۱۴۔ تحقیقاتِ چشتی ـــــــ مولوی نور احمد

۱۵۔ تاریخِ لاہور ـــــــ رائے بہادر کنہیا لال (آنجہانی)

۱۶۔ تاریخِ لاہور ـــــــ سید محمد لطیف جج

۱۷۔ بزرگانِ لاہور ـــــــ پیر غلام دستگیر نامی

۱۸۔ اولیائے لاہور ـــــــ لطیف ملک

۱۹۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب ـــــ مولانا اعجاز الحق قدوسی

۲۰۔ شیخ الشیوخ عالم ـــــــ طالب ہاشمی

۲۱۔ تاریخِ اوچ ـــــــ مسعود حسن شہاب

۲۲۔ ماہنامہ "گلِ خنداں" لاہور ـــــ بزرگانِ دین نمبر

۲۳۔ ماہنامہ "نقوش" لاہور ـــــ لاہور نمبر

۲۴۔ حکایاتِ صوفیہ ـــــــ طالب ہاشمی